ملک امیر بخش عاؔبی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت

بناتِ مصطفٰے

صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف

حاجی ملک امیر بخش عاؔدبی

طبع اوّل مارچ ۱۹۸۶ء ــــــ ایک ہزار

طبع دوم نومبر ۱۹۸۶ء ــــــ ایک ہزار

مؤلف کتاب ــــــ ملک امیر بخش عاربی ملتان

کتابت ــــــ محمد اسلم بیٹھک خوشنویساں ملتان

مطبع ــــــ نو بہار الیکٹرک پریس ملتان

قیمت ــــــ روپے

مندرجہ ذیل مقامات سے طلب فرمائیں

۱۔ فیروز سنز لمیٹڈ پبلشرز، بک سیلرز، پرنٹرز، ۶۰ شاہراہِ قائدِ اعظم	لاہور
۲۔ ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔ گنج بخش روڈ	لاہور
۳۔ مکتبہ نوریہ رضویہ ۱۱ گنج بخش روڈ	لاہور
۴۔ نعمانی کتب خانہ رلیجس بک سیلرز اینڈ پبلشرز، اردو بازار حق سٹریٹ	لاہور
۵۔ فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار	لاہور
۶۔ مکتبہ نوریہ رضویہ، گلبرگ اے	فیصل آباد
۷۔ اجمیری کتب خانہ، پیر پٹھان روڈ (نزد مدرسہ انوار العلوم	ملتان شہر
۸۔ کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ	ملتان شہر
۹۔ ریلوے بک سٹال ریلوے اسٹیشن	ملتان چھاؤنی
۱۰۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ	ملتان
۱۱۔ نظامی کتب خانہ، کالج روڈ	تونسہ شریف
۱۲۔ غوثیہ رضویہ کتب خانہ سریاب روڈ	کوئٹہ

تقریظ

از محترمہ ڈاکٹر زبیدہ صدیقی صاحبہ

بی اے بی ایڈ۔ ایم اے اردو۔ ایم اے فارسی۔ پی ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی۔ ایم لٹ
ڈی لٹ تہران۔ پروفیسر گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان۔ ڈائریکٹر جامعہ صدیقیہ نواب پور روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کہ آج پاکستان کو انگریز کی سیاسی غلامی سے نجات پائے تقریباً چالیس برس گذر چکے ہیں اور اس وقت آزاد پاکستان کی تیسری نسل گہوارے میں ہے۔ مگر مقام تاسف ہے کہ ذہنی غلامی کے اعتبار سے قوم غلام پختہ تر بن چکی ہے۔ کیونکہ ہمارا نظامِ تعلیم وہی ہے جسے علامہ اقبال نے "بھٹکے ہوئے خورشید کا پرتو" اور "ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف" قرار دیا ہے۔ نتیجتہً زندگی کے ہر پہلو میں آج بھی ہمارے لئے انگریز کی تقلید ہی مایۂ فخر و مباہات اور مقصودِ پرواز ہے۔ دین ہمارے لئے بندگانِ خدا کو دھوکا دینے کا ایک کامیاب وسیلہ ہے اور بس۔ دین سے روز بروز غفلت اور کوتاہی برتی جارہی ہے، بالخصوص خواتین کی توجہ دین کی طرف بہت ہی کم ہے اور روز بروز مغربی تہذیب کی دلدادہ ہوتی جارہی ہیں۔ رنگ برنگے فیشن دیکھنے میں آرہے ہیں اس میں ہمارے سینماؤں میں دکھائی جانیوالی فلموں میں ایکٹریسوں کے کردار کا خاص دخل ہے۔ جو عورتیں ایسے مقامات پر جس قسم کا لباس دیکھتی ہیں اسی کو اپنالیتی ہیں اور دیکھا دیکھی وہی فیشن شرفاء کی خواتین بھی اپنانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اور اس میں قصور ہمارے دانشوروں کا بھی ہے اور کسی حد تک علماء کا بھی کہ جس قدر مردوں کو دین سکھانے کے لئے توجہ دی گئی ہے اُس قدر خواتین کی طرف دھیان نہیں دیا گیا، اور نہ ہی ایسے لٹریچر کی طباعت

کی طرف توجہ دی گئی جس میں صحابیات و دیگر صالحات کے حالات ہوں تاکہ اُن کی پاک سیرت کی روشنی ان کی زندگیوں میں بھی اُجالا پیدا کر سکے۔ اور ان کے واقعات ہماری خواتین کے ذہنوں کو اپیل کر سکیں۔

• وقت کے اس اہم تقاضا کے پیشِ نظر محترم برادرم جناب امیر بخش عاربی صاحب لہو و لعب، فحاشی، اسراف، دخل و خرچ حرام اور عمومی گمراہی کے خلاف جہاد با لقلم کے اس معرکہ میں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اردو زبان و ادب کے معیارِ وقت کے مطابق آسان، با محاورہ اور سادہ و رواں اسلوب میں ازواجِ مطہرات پر قلم اٹھایا اور مسلم خواتین کے لئے اسوۂ حسنہ کی مبسوط مثالیں مرقوم فرمائیں۔

اسکے بعد بناتِ مصطفٰےؐ میں بھی اسی حزم و احتیاط کے ساتھ کہ "نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید اینجا" دادِ تحقیق دی ہے۔ اس میں بھی وہی سادہ، با محاورہ زبان، سلیس و متین اسلوب اور رواں مبسوط محققانہ مطالب آپ کے پیشِ نظر ہیں کہ ہر اردو خواں قاری بچی مسلم خواتین کی پاک سیرتوں سے بآسانی آگاہی حاصل کر سکتا ہے، اور ہر گھر میں مسلم خواتین کے اس تصوّر کو معیار بنا سکتا ہے۔ نیز ہر مُسلم خاتون اُسے پڑھ کر اپنی "ماڈل فاحشہ یورپ" سے اس کا موازنہ کر کے اپنی اصلاح کر سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہم مسلمانوں کو یورپ کی ذہنی غلامی سے نجات دے آمین! اور وہ مصنف و محققِ محترم کی اس سعیِ جمیلہ کو بار آور اور ماجور فرمائے۔ ثم آمین!

ڈاکٹر زبیدہ صدیقی

ڈائریکٹر جامعہ صدیقیہ نواب پور روڈ

دیوان باغ۔ ملتان

عرضِ مؤلّف

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں لاکھوں درود و سلام کے بعد میں اپنی اِس ادنیٰ کوشش کی افادیت اور مقبولیت کا متمنی ہوں۔ سیرتِ بنات کے موضوع پر اب تک کافی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں عالی قدر علمائے کرام نے نہایت عمدہ طریق سے اور شرح و بسط کے ساتھ بحثیں کی ہیں۔ اگرچہ اِن کتابوں کی موجودگی میں اسی موضوع پر ایک مختصر رسالہ تحریر کرنا سورج کی روشنی میں چراغ جلانے کے مترادف ہے، لیکن ان عالی مرتبت مصنفین نے اپنی تصانیف میں زیادہ تر توجہ اس طرف فرمائی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار لڑکیاں تھیں یا صرف ایک لڑکی تھی۔ بے شک یہ ایک اہم موضوع ہے جسے انہوں نے دلائل و براہین کے ساتھ نہایت خوبی سے سرانجام دیا۔ لیکن اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانحِ حیات پر بہت کم روشنی ڈالی گئی۔ اسلئے میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹیوں کو آپؐ کی حقیقی بیٹیاں ثابت کرنے کی بجائے اُن کے حالاتِ زندگی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے اِس کام میں جسقدر کامیابی ہوئی ہے وہ منجانب اللہ ہے اور جہاں کہیں مجھ سے تسامح یا کوتاہی ہوئی ہے وہ میری کم فہمی اور کم علمی کی بنا پر ہوئی ہے جس کے لئے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔

امیر بخش

۱۷ر فروری ۱۹۸۶ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بناتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکۂ معظمہ میں ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دس[1] سال قبل از بعثت پیدا ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سب سے بڑی ہیں۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ ان سے بڑے تھے۔ تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنی تینوں بہنوں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء۔ حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہن سے بڑی تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی پرورش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بے مثل اور بے مثال باپ کے سایۂ عاطفت میں کی۔ جب آپ کی عمر پانچ چھ سال ہوگئی تو گھر کے کام کاج اور اپنی چھوٹی بہنوں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی حضانت ونگرانی میں اپنی والدہ کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ اُس وقت ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچاس سال سے متجاوز تھی۔ نیک سیرت اور پاکیزہ اخلاق تو آپ کو ورثہ میں ملے تھے، اِس عملی زندگی نے آپ کو باسلیقہ اور باشعور بھی بنا دیا اور اس کے ساتھ ساتھ قدرت نے آپ کو دلآویز صورت اور عقل وفہم کی دولت سے بھی بہرہ ور کیا تھا، حتیٰ کہ آپ ابھی دس سال کی عمر کو نہ پہنچی تھیں کہ آپ کی طرف قریشِ مکہ کی نگاہیں اُٹھنے لگیں۔

ابوالعاص بن ربیع[1] جو بنی عبدِ مناف بن قصیٰ میں سے تھے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سگی بہن ہالہ بنتِ خویلد کے لڑکے تھے، اِس لئے بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کو قدرتی لگاؤ تھا۔ الدکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی تراجم سیّداتِ بیت النبوّۃ میں لکھتی ہیں کہ ابوالعاص کے لئے بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے بعد قبلہ کا درجہ رکھتا تھا۔ ابوالعاص شریف النّفس اور امانتدار ہونے کے علاوہ صاحبِ مال اور صاحبِ تجارت بھی تھے۔ جب وہ کسی سفر سے واپس آتے تو فوراً اپنی خالہ کے گھر آجاتے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی ان سے مانوس تھیں اور یہ دونوں خالہ زاد بھائی بہن ایک دوسرے کی موجودگی میں راحت پاتے تھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی خواہش تھی کہ حضرت زینب کا نکاح ابوالعاص سے کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک روز اس بارے میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی تو آپؐ نے بھی یہ رشتہ پسند فرمایا اور بنی ہاشم کی توقعات کے خلاف حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابوالعاص کے ساتھ ہوگئی۔ یہ واقعہ بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کا ہے[2]

جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت و رسالت سے سرفراز کیا اور آپؐ پر وحی نازل فرمائی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا فوراً آپؐ پر ایمان لے آئیں۔ اُسوقت ابوالعاص ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں مکے سے باہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دورانِ سفر ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں اڑتی ہوئی

[1] ان کا اصل نام لقیط تھا۔ بعضوں نے ان کے دوسرے نام مثلاً مُقسم۔ مُہشم۔ ہُشَیم وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن اوّل الذکر نام مشہور و معروف ہے۔

[2] ان تفصیلات کیلئے دیکھئے تراجم سیدات بیت النبوۃ ترجمہ حضرت زینبؓ

خبریں سن لی تھیں۔ جب واپس گھر پہنچے تو حضرت زینبؓ کی زبانی اِن خبروں کی تصدیق ہو گئی۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ مخمصے میں پڑ گئے اور کہا کہ اے زینبؓ! کیا تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر میں آپؐ کی نبوت پر ایمان نہ لایا تو پھر کیا ہوگا؟ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ میں اپنے صادق اور امین باپ کو کیسے جھٹلا سکتی ہوں؟ خدا کی قسم وہ سچے ہیں اور اُن پر میری ماں، میری بہنیں اور علیؓ بن ابی طالب اور ابوبکرؓ اور تمہاری قوم میں سے عثمانؓ بنِ عفان اور تمہارے ماموں زاد بھائی زُبیرؓ بن عوام بھی ایمان لے آئے ہیں، اور میں تو یہ قیاس بھی نہیں کر سکتی کہ تم میرے باپ کو جھٹلاؤ گے اور ان کی نبوت پر ایمان نہ لاؤ گے! ابوالعاص نے کہا کہ اے حبیبہ! مجھے تمہارے والد پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے اور نہ میں اُن کو جھٹلاتا ہوں، بلکہ مجھے تو اس سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے طریقے پر چلوں۔ لیکن میں اس بات سے گھبراتا ہوں کہ لوگ مجھ پر الزام دھریں گے۔ اور کہیں گے کہ میں نے اپنی بیوی کی خاطر اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ کیا تم اپنے جدِّ امجد ابو طالب ابن عبدالمطلب کی طرح کوئی حیلہ نہ کر سکتی تھیں؟ (وہ آخر دم تک اپنے دین پر قائم رہے، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں اپنی اولاد سے بھی زیادہ پیارے تھے) حضرت زینبؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں، بلکہ میری تو یہ تمنا ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت زُبیرؓ بن عوام کی طرح سبقت کر کے اِسلام میں داخل ہو جاؤ۔

اِدھر قریشِ مکہ جو آپؐ کی نیکیوں، آپؐ کی خوبیوں، آپؐ کی دیانت و امانت اور آپؐ کی سچائی اور راستی کے معترف تھے، یک لخت آپؐ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کو دُکھ پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ حضورؐ کی چھوٹی لڑکیوں حضرت رقیہ اور حضرت امِّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے نکاح ابو لہب کے بیٹوں عتبہ

اور عُلیحدہ ہو چکے تھے۔ ابو لہب نے بیٹوں پر زور دے کر انہیں طلاقیں دلوادیں
حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دلوانے کے لئے بھی قریش مکہ نے ایڑی چوٹی
کا زور لگایا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ابو العاص سے کہا کہ تم دُختر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
طلاق دے دو اور قریش میں سے جو لڑکی تم پسند کرو ہم اُسے تمہارے ساتھ بیاہ دیتے
ہیں۔ لیکن ابو العاص نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم! زینبؓ کے عوض
قریش کی کسی بھی عورت کی مجھے ضرورت نہیں اور نہ میں زینبؓ کو اپنے سے جُدا
کر سکتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے تیرہ سال بعد مدینے کو ہجرت
فرمائی اور اس کے سات مہینے بعد اپنے اہل و عیال کو بھی مدینے بُلوالیا۔ حضرت
زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے
تھے اس لئے وہ اپنی بہنوں کے ساتھ مدینے کو نہ جا سکیں[1]۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا
کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو

[1] اکثر علمائے کرام کہتے ہیں کہ اُس وقت تک کافر و مومن میاں بیوی کی تفریق کے بارے
میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا اس لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابو العاص کے درمیان
تفریق نہ کرائی گئی۔ تراجم سیدات بیت النبوہ میں ہے کہ لم یکن الاسلام قد فَرَّقَ
بینھما یعنی اسلام نے حضرت زینبؓ اور ابو العاص میں تفریق نہ کرائی (ص ۵۰۶) لیکن
ابن اثیر الکامل فی التاریخ جلد ۲ میں صفحہ ۱۳۴ پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
مکے میں مغلوب تھے اس لئے حضرت زینبؓ اور ابو العاص میں تفریق نہ کرا سکتے تھے۔ یہ
دونوں باتیں اپنی جگہ پر درست ہوں گی لیکن اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زینبؓ کی طلاق سے زیادہ دلچسپی ابو العاص کے قبولِ اسلام میں

باقی اگلے صفحہ پر

اکیلی محسوس کرنے لگیں۔ اپنا پرانا گھر دیکھ کر انہیں وحشت ہوتی تھی۔ وہ اپنے آپ سے پوچھتیں کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن سے کل یہ گھر آباد تھا؟ کہاں ہیں میرے والد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ کہاں ہیں میری امی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا؟ کہاں ہیں میری بہنیں رقیہؓ، امّ کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہنّ؟ کہاں ہیں میرے بھائی قاسم اور عبداللہ رضی اللہ عنہما؟ یہ سب مجھے تنہا چھوڑ کر چلے گئے؟ میری امی اپنے بیٹوں کے ساتھ عالم عقبیٰ کو اور میرے والد اپنی بیٹیوں کے ساتھ پردیس کو؟ غرض کہ کسی پہلو آپ کو قرار نہ آتا تھا۔

ابھی اس جدائی کی کلفت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دل سے محو نہ ہوئی تھی کہ جنگِ بدر واقع ہوگئی۔ اس جنگ میں قریشِ مکہ حضرت زینبؓ کے خاوند ابوالعاص بن ربیع کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے لئے یہ صدمہ گھر کی ویرانی سے بھی زیادہ سخت تھا۔ کبھی وہ سوچتی تھیں کہ آج میں بیوہ ہو جاؤں گی یا نہیں۔ کبھی کہتی تھیں کہ آج میرے بچے یتیم ہو جائیں گے یا نہیں۔ اگر میرے خاوند نے اسلام قبول کر لیا ہوتا تو آج مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ وہ انہیں خیالات میں گم تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ بنتِ عبدالمطلب، جو زہیر بن ابی امیہ مخزومی کی ماں تھیں آگئیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے بیٹی! کیا تو نے یہ عجیب خبر سنی ہے؟ حضرت زینبؓ نے ان کی طرف یاس و ناامیدی کی نظروں سے دیکھا اور خاموش رہیں۔ مگر اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) تھی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ حضرت زینب کو نہ لاسکے کیونکہ انکے شوہر ابوالعاص بن ربیع نے ان کو روک لیا (سیرت سرورِ عالم حصہ دوم ص ۷۴۸) مولانا محمد نافع بھی بناتِ اربعہ میں اسی کی تائید کرتے ہیں (بناتِ اربعہ ص ۲۲۴)

قلتِ صحابہ کے قریش کے لشکرِ عظیم پر فتح پائی ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ خبر سنی تو مارے خوشی کے بے اختیار اُن کے منہ سے نکلا کہ وا فرحتا! لیکن پھر فوراً اپنے بچوں، علی اور امامہ سے لپٹ گئیں[1] اور روتے ہوئے پوچھا "اور میرے خاوند؟ میرے خاوند ابوالعاص کا کیا حال ہے؟" عاتکہ نے جواب دیا کہ وہ گرفتار ہو گئے ہیں اور اپنے صہر کریم کی قید میں ہیں۔

جنگِ بدر کے قیدی جب مدینے لائے گئے تو یہ فیصلہ ہوا کہ اسیرانِ جنگ سے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ ابوالعاص کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی اسلئے انہوں نے اپنی بیوی حضرت زینبؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ ابوالعاص بن رُبیع صاحبِ مال شخص تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے مال سے فدیہ کی رقم بھیج سکتی تھیں لیکن شاید انہوں نے کسی مصلحت کے تحت اپنے گلے کا وہ ہار فدیہ کی رقم میں بھیجدیا جو انہیں ماں کی طرف سے جہیز میں ملا تھا۔ حضرت زینبؓ نے یہ ہار ابوالعاص کے بھائی عمرو بن رُبیع کے ہاتھ بھیجا۔ عمرو جب مدینے پہنچا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے کپڑوں میں سے ایک تھیلی نکال کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے کر دی اور کہا کہ یہ تھیلی میرے بھائی

[1] یہ بات الدکتورہ عائشہ عبدالرحمن بنتِ الشاطی نے تراجم سیدات بنت النبوہ میں لکھی ہے (ص ۵۰۸) لیکن علمائے سیرت کا قول ہے (جیسا کہ آگے اس کا ذکر آرہا ہے) کہ سبط رسول علی پیدا ہوئے تو ابوالعاص نے انہیں رضاعت کیلئے قبیلۂ بنی غاضرہ میں بھیج دیا۔ فطام سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینے جا چکی تھیں۔ اسلئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضاعت کے بعد انہیں مدینے منگوا لیا۔ اس لئے جنگِ بدر کے موقعہ پر علی بن ابی العاص کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ہونے میں اشکال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ابو العاص کی بیوی نے اپنے خاوند کے فدیہ میں بھیجی ہے۔ جب اسے کھولا گیا تو اس میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وہ ہار نکل آیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہار دیکھا تو آپؐ کا دل بھر آیا اور پندرہ (۱۵) سال پہلے کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ ہار اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو جہیز میں دیا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور مارے غیرت و حیاء کے صحابہ کرام کے سر جھک گئے اور آنکھیں زمین سے لگ گئیں۔ آپؐ نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ اگر تم رضامند ہو تو میں اپنی بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دوں اور ابو العاص کو رہا کر دوں؟ تمام صحابہ نے سرِ تسلیم خم کیا اور ابو العاص کو فدیہ کے بغیر رہا کر دیا گیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے یہ عہد لے لیا کہ مکے پہنچ کر تم زینبؓ کو میرے پاس مدینے بھیج دو گے۔

جب ابو العاص گھر پہنچے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کیا اور دعا مانگی کہ اے اللہ! اسلام کے لئے میرے خاوند کا سینہ کھول دے! ابو العاص نے کہا کہ اے حبیبہ! تمہارے والد نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ان کے پاس مدینے بھیج دوں، اور اس بارے میں انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہے، اور جیسا کہ تم جانتی ہو میں کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ تمہاری روانگی میں بس اس قدر مہلت ہے کہ سفر کی تیاری کرو، سامان باندھو اور روانہ ہو جاؤ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سفر کی تیاری کی اور سامان باندھ لیا تو ابو العاص نے انہیں اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع کے ہمراہ یاجج کی طرف، جو مکہ معظمہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اور جہاں ان کو لے جانے کے لئے زیدؓ بن حارثہ اور ایک انصاری آئے ہوئے تھے، روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت ابو العاص نے کہا کہ اے حبیبہ! تمہاری محبت تاحیات میرے دل میں

رہے گی اور یہ گھر جس میں ہم نے بھلے دن گزارے ہیں ہمیشہ تمہاری یاد سے معمور رہے گا حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص کی یاد اور چار ماہ کے جنین کے ساتھ جو ان کے شکم میں تھا روانہ ہوگئیں۔

قریش نے جب حضرت زینبؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر سنی تو ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ سب سے پہلے انہیں ہبّار بن الاسود اور نافع بن قیس ذی طویٰ کے مقام پر جا لیے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کجاوہ میں سوار تھیں۔ ہبّار نے آگے بڑھ کر اونٹ کو اپنے نیزے کے ساتھ ایک زوردار کچوکا دیا جس سے وہ تڑپ اٹھا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نیچے گر پڑیں[1] حضرت زینبؓ کو ایسی سخت چوٹ آئی کہ جنینِ شکم بھی ساقط ہو گیا۔ اس پر کنانہ نے اونٹ کو بٹھا دیا اور ترکش سے تیر نکال کر تعاقب کرنے والوں کو للکارا کہ خبردار میرے قریب نہ آنا ورنہ میں تیروں سے چھلنی کر دوں گا۔ ابو سفیان نے جو حملہ آوروں کے ساتھ تھے پکار کر کہا کہ اے کنانہ رک جاؤ، ہم تمہارے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں، کنانہ رک گیا اور ابو سفیان اس کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ ابو سفیان نے کہا کہ ہمیں زینبؓ کو روکنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو نکبت و ایذا ہمیں پہنچی ہے وہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اب تم ان کی لڑکی کو دن کی

---

[1] سہیلی روض الانف میں لکھتے ہیں کہ ہبّار بن الاسود کے ہمراہ خدا کا دشمن حُوَیرث بن نُقَیذ بھی تھا اور اسی نے اونٹ کو کچوکا دیا تھا (روض الانف حصہ دوم ص ۴۷) جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے ہجرت فرمائی تو ان کے اونٹ کو بھی اِسی نے ہنکایا تھا (ابنِ ہشام جلد ۲ ص ۱۰۴) یہ ان آٹھ آدمیوں میں سے ایک تھا جنکے بارے فتح مکہ کے روز حضورؐ نے فرمایا تھا کہ یہ جہاں کہیں بھی ملیں انکو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے فتح مکہ کے روز قتل کر دیا

روشنی میں لوگوں کے سامنے علی الاعلان ہمارے درمیان میں سے نکال کر لئے جارہے ہو۔ اس میں ہماری ذلّت ورسوائی ہے اور ہماری سُبکی ہے۔ اِس طرح سے ہماری ہوا اکھڑ جائے گی۔ لوگ کہیں گے کہ ہم کمزور پڑ گئے ہیں۔ تم اس عورت کو واپس مکے لے جاؤ اور جب لوگ دیکھ لیں کہ ہم نے اسے مدینے جانے سے روک دیا ہے، اور جب سکون ہو جائے تو اِسے چپکے سے یہاں سے نکال لے جاؤ اور ان لوگوں کے حوالے کردو جو اسے لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہم کو اِسے روکنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ چنانچہ کنانہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو واپس مکے لے گیا۔ اور چند راتوں کے بعد جب لوگوں کی قیل وقال اور چہ میگوئیاں بند ہوگئیں تو کنانہ نے ان کو مکے سے باہر لے جاکر زیدؓ بن حارثہ کے حوالے کردیا جو انہیں مدینے لے گئے۔ جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینے پہنچیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہبّار اور اس کے ساتھی کا حال سُنا تو غضبناک ہو کر فرمایا کہ تم ان پر قابو پا جاؤ تو انہیں زندہ جلا دینا۔ لیکن دوسرے دن آپؐ نے کہلا بھیجا کہ کل میں نے ہبّار اور اُس کے ساتھی کو، جنہوں نے زینبؓ کو ایذا پہنچائی ہے جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا لیکن آگ کا عذاب دینا تو اللہ تعالیٰ کو سزاوار ہے۔ اِس لئے اگر تم ان پر قابو پاؤ تو ان کو قتل کردینا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینے بھیج دینے کے بعد ابوالعاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہ لیا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس انتظار میں رہیں کہ ابوالعاص کب اسلام قبول کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ چار سال کا عرصہ گزر گیا اور اس دوران میں سینکڑوں ہزاروں آدمی اسلام میں داخل ہو گئے اور بڑے بڑے دشمنانِ دین بھی حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے لیکن ابوالعاص کو بقولِ مرزا غالب۔

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

اسلام لانے میں تردّد تھا۔

جمادی الاوّل ۶ھ میں وہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملکِ شام کو گئے اور جب تجارت سے فارغ ہو کر واپس لَوٹے تو زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں مسلمانوں کے ایک دستہ نے ان کے قافلہ پر حملہ کر دیا[1]۔ ابو العاص تو جان بچا کر بھاگ گئے لیکن باقی اہلِ قافلہ کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اور سامانِ تجارت کو اپنے قبضے میں لے لیا[2]۔ ابو العاص رات کی تاریکی میں چھپتے چھپاتے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس مدینے پہنچ گئے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں دیکھا تو سمجھیں کہ ابو العاص ان کی آرزو اور تمنا کے مطابق مسلمان ہو کر آئے ہیں لیکن ابو العاص نے کہا کہ

---

[1] ابنِ ہشام ابو عبیدؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب ابو العاص بن ربیع مشرکینِ مکہ کے اموال کے ساتھ شام سے لَوٹے تو انہیں کہا گیا کہ تم مسلمان ہو جاؤ اور یہ سارا مال ہضم کر جاؤ۔ آخر یہ مال مشرکین ہی کا تو ہے۔ ابو العاص نے کہا کہ کیا مشرکین کا مال روک کر میں امانت میں خیانت کروں؟ اور اگر ایسا کروں بھی تو پھر میرے اسلام کی ابتدا ہی بد دیانتی اور خیانت جیسے قبیح فعل سے ہو گی۔

[2] اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان جلبِ زر کے لئے مشرکین کے قافلوں پر ڈاکے ڈالتے تھے۔ در اصل اُس زمانے میں کفار اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے اور قبائلِ عرب کو مدینے پر حملہ کرنے کیلئے اُکسا رہے تھے۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اُن کے قافلوں پر حملے کر کے ایک طرف تو اُن کا زور توڑا جائے اور دوسری طرف اُن کو ہوا کا رُخ بتایا جائے۔

نہیں زینبؓ! میں مسلمان ہو کر نہیں آیا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ میں ایک تجارتی سفر میں ملکِ شام کو گیا تھا۔ جب میں فارغ ہو کر واپس لوٹا تو راستے میں زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں ایک سو ستر آدمیوں کی ایک جمعیت نے میرے قافلے پر حملہ کر دیا اور میرا اور قریش کا وہ سارا مال جو میری تحویل میں تھا لوٹ لیا۔ میں ان سے جان بچا کر بھاگ نکلا ہوں۔ اور تمہارے پاس پناہ لینے اور اپنے مال کی واپسی کے لئے درخواست کرنے آیا ہوں۔ اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی۔

اس وقت تک صبح ہو چکی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور اللہ اکبر کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور صحابہ کرام بھی یکے بعد دیگرے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں پہنچ گئے۔ جب نماز شروع ہوئی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا صفہ کے دروازے پر پہنچ گئیں اور عین نماز کے دوران جب اللہ اکبر کی آواز بلند ہوئی تو پکار پکار کر کہا کہ اے لوگو! میں نے ابوالعاص بن ربیع کو پناہ دی ہے۔ نماز کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ جو کچھ میں نے سنا ہے کیا تم نے بھی سنا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ اِس وقت سے پہلے مجھے بھی ابوالعاص کی آمد کا کوئی علم نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے اور جسے زینبؓ نے پناہ دی ہے اُسے ہم بھی پناہ دیتے ہیں[1]۔

اِس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے گھر

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو باپ ہونے کی حیثیت سے ادنیٰ مسلمان فرمایا ہے ورنہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہ تو ادنیٰ مسلمان تھیں اور نہ ہم کو زیبا ہے کہ انہیں ادنیٰ مسلمان کہیں یا سمجھیں۔

تشریف لے گئے جہاں ان کے پاس ابوالعاص بن ربیع موجود تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اباجان! ابوالعاص میری اولاد، علی اور امامہ کا باپ اور میرا خالہ زاد ہے۔ یہاں یہ اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ لے کر آیا ہے جو زید بن حارثہ نے چھین لیا ہے، اور میں نے اِسے پناہ دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے بیٹی! تم اِس کی خاطر داری کرو اور اِسے عزّت کے ساتھ رکھو۔ لیکن اس کے قریب مت جاؤ۔ تُم اِس کے لئے حلال نہیں ہو۔ یہ فرماکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لے گئے۔ آپؐ کے چلے جانے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اے ابوالعاص! کیا تم پر ہماری جُدائی ہلکی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں، بلکہ تمہارے بغیر تو میری زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا کہ پھر یہ عذاب کب تک؟ انہوں نے کہا کہ جو اللہ کو منظور ہے اور پھر فوراً کہا کہ اے زینبؓ! مجھے کہا گیا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں اور قریش کا یہ سارا مال اپنے لئے روک لوں؟ کیا میں اپنے اسلام کی ابتدا ہی خیانت اور بد دیانتی جیسے بُرے فعل سے کروں[1]؟

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابوالعاص کو مسجد میں طلب فرمایا جہاں آپؐ کی مجلس میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم موجود تھے جن میں وہ صحابہؓ بھی تھے جن کے قبضے میں ابوالعاص کا مال تھا۔ جب ابوالعاص مسجد میں آ گئے تو آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اِس شخص کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے وہ تو تم جانتے ہی ہو۔ اگر تم اِس پر احسان کرو اور اِس کا مال واپس کر دو تو یہ ہماری خواہش ہے اور اس میں ہماری رضا

---

[1] تراجم سیّداتِ بیت النبوہ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالعاص اسلام لانے کا ارادہ کر چکے تھے لیکن امانت میں خیانت جیسے قبیح فعل کے ساتھ وہ اپنے اسلام کی ابتدا کرنا نہ چاہتے تھے۔

ہے۔ لیکن اگر تم انکار کرو تو یہ مال اللہ تعالے کا عطیہ ہے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے اور اس پر تمہارا حق ہے۔ انہوں نے بیک زبان کہا کہ یا رسول اللہ! ہم یہ سارا مال ان کو واپس کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے ابوالعاص کا سارا مال واپس کر دیا حتیٰ کہ ڈول اور پرانی مشک اور چھوٹے موٹے برتن اور اونٹ کی نکیل کی رسی تک واپس کر دئے اور کوئی چیز اپنے پاس روک نہ رکھی۔ جب ابوالعاص یہ سارا سامان وصول کر کے مکے کو روانہ ہو گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ بات کی تو سچ کہا اور وعدہ کیا تو وفا کیا۔

جب ابوالعاص یہ مال لے کر مکے پہنچے تو پورے مال واسباب کے ساتھ اُن کے صحیح سلامت واپس لوٹ آنے پر اہلِ مکہ نہایت خوش ہوئے۔ ابوالعاص نے مکے والوں کا سارا مال اُن کے حوالے کر دیا اور پھر پوچھا کہ اے گروہ قریش! کیا کسی کا کوئی مال میرے ذمے بقایا رہ گیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تمہیں جزائے خیر دے! ہمارا کوئی مال تمہارے ذمے باقی نہیں ہے۔ ہم نے تمہیں پورا پورا حق ادا کرنے والا شریف انسان پایا ہے۔ اس کے بعد ابوالعاص نے تمام مجمع پر ایک نظر ڈالی اور پھر بلند آواز کے ساتھ پکارا کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اے لوگو! خدا کی قسم! اِس سے پہلے اسلام لانے سے مجھے صرف اِس خوف نے روکا ہوا تھا کہ شاید تم خیال کرو کہ میں خیانت کر کے تمہارے اموال کھا جانے کی نیّت سے مسلمان ہو گیا ہوں۔ لیکن اب، جبکہ میں تمہارے اموال تمہارے حوالے کر چکا ہوں اور تمہاری امانتوں سے سبکدوش ہو گیا ہوں تو میں اپنے اسلام کا اعلان کرتا ہوں۔

ابوالعاص بن ربیع ابتدائے محرم ۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینے آئے۔ جب مسجد میں آکر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تو کلمہ طیّبہ کے وِرد اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔ لوگوں نے مبارکباد

دینے کے لئے ابوالعاص کو گھیر لیا، لیکن وہ تہنیت سے لاپرواہ اِن خیالات میں گم تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں۔ آخر یہ سوچ کر کہ اسلام سابق غلطیاں معاف کر دیتا ہے، ہمت کر کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی کی درخواست کی۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاحِ جدید یا سابقہ نکاح پر حضرت زینبؓ کو ابوالعاص کے پاس بھیج دیا۔[1]

[1] اس امر میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاحِ جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ ابوالعاص کی زوجیت میں دیا تھا یا سابقہ نکاح پر ہی واپس کیا تھا۔ لیکن ابوالعاص کا کسی عورت سے نکاح نہ کرنا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا اِس انتظار میں رہنا کہ کب ابوالعاص اسلام قبول کرتے ہیں اور اس جُدائی کا عذاب ختم ہوتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوالعاص کی تعریف و توصیف کرنا اور صحابۂ کرام سے فرمانا کہ ابوالعاص کا ہمارے ساتھ جو تعلق ہے اسے تم جانتے ہو اور چار سالہ علیحدگی کے باوجود آپؐ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو کسی دوسری جگہ بیاہ دینے کا خیال تک نہ فرمانا وغیرہ ایسے قرائن ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاحِ اوّل پر ہی واپس کیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولانا محمد نافع بناتِ اربعہ میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں بہت سے ایسے نکاح قائم رہے جن میں زوج یا زوجہ دونوں میں سے ایک مسلمان ہوتا تھا تو دوسرا کفر پر ہوتا تھا اس دستورِ مروجہ کی بنا پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابوالعاص کے نکاح میں رہیں۔

شیخ ابوعلی الفضل طبرسی جو چھٹی صدی ہجری کے اکابر علمائے امامیہ میں سے ہیں آیت هٰؤُلَاۤءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (ھود: ۷۸) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وکذا کان یجوز

باقی اگلے صفحہ پر

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت الی المدینہ کے چار سال بعد ابو العاص اسلام لائے اور ان چار سالوں کی علیحدگی کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا انہیں لوٹادی گئیں۔ لیکن صرف ایک ہی سال کی رفاقت کے بعد ان دونوں میں ایسی جدائی ہوئی کہ جس کے بعد اِس دارِ فانی میں دوبارہ ملاقات ممکن نہیں۔ حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے ۸ھ میں وفات پاگئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون!

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ایضاً فی مبدءِ الاسلامِ وقد زوّج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بِنْتَہٗ من ابی العاص بن الربیع قبل ان یُسلِمَ ثمّ نُسِخَ ذٰالِکَ یعنی اسی طرح ابتدائے اسلام میں کافر ومومن زوجین میں نکاح جائز تھا۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ابو العاص بن ربیع سے اُن کے اسلام لانے سے پہلے کر دیا تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لیکن دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابو العاص کیساتھ قبل از بعثت کیا تھا، اس لئے اِس تزویج کو کافر ومومن زوجین کے درمیان جدید نکاح کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ نکاح زمانۂ قبل از بعثت میں ہوا تھا۔ اس لئے کچھ عجب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سابقہ نکاح ہی پر ابو العاص کے پاس بھیج دیا ہو۔ یاد رہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے ہجرت سے پہلے ہی اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔

بھی آپ کو غسل دینے میں شریک تھیں۔ اُمِّ عطیہ سے روایت ہے کہ جب سیدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور ہم نے غسل دینے کی تیاری کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانی میں بیری کے پتے ڈال کر گرم کر لو اور اس پانی سے تین چار بار غسل دو اور آخری مرتبہ کافور لگا دو۔ اور جب غسل دے چکو تو مجھے اطلاع دیدو۔ اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب ہم غسل دینے سے فارغ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپؐ نے اپنا تہ بند اتار کر ہمیں دیا اور فرمایا کہ اسے زینبؓ کے کفن کے اندر لگا دو۔ کہتے ہیں کہ مدینے کی مسلمان عورتوں نے بھی حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دو اولادیں مکۂ معظمہ میں ہوئیں۔ علی اور اُمامہ جب علی بن ابی العاص پیدا ہوئے تو انہیں دودھ پلانے کے لئے قبیلۂ بنی غاضرہ میں بھیج دیا گیا۔ فِطام سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینے چلی گئی تھیں، اس لئے شیر خوارگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینے لے جا کر اپنی نگرانی میں لے لیا[1]۔ اس طرح سے ان کی پرورش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ فتح مکہ کے سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں کو اپنے پیچھے سوار کیا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بلوغت سے پہلے وفات پائی۔

امامہ بنتِ ابی العاص سے، جسے اہلِ تراجم اُمامہ بنتِ زینبؓ لکھتے ہیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی۔ کہتے ہیں کہ جس طرح آپؐ اِمامین حسنین رضی اللہ عنہما کو اپنے دوشِ مبارک پر سوار کرتے تھے اسی طرح سے آپؐ ان کی خالہ زاد بہن اُمامہ

---

[1] رحمۃ للعالمین حصہ دوم صفحہ ۹۴۔ تالیف قاضی محمد سلیمان منصور پوری

بنتِ ابی العاص کو بھی اپنے دوشِ مبارک پر اُٹھا لیتے تھے۔ امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپؐ کے پاس ایک بیش قیمت ہار تحفے میں آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ ہار میں اُسے پہناؤں گا جو مجھے اپنے اہلِ خانہ میں سب سے زیادہ عزیز ہے، اور پھر اُمامہ کو بُلا کر یہ ہار اُن کے گلے میں ڈال دیا۔

زبیر بن عوّامؓ ابوالعاص بن رُبیع کے ماموں زاد بھائی تھے، اِس لئے ابوالعاص کی وفات کے بعد اُمامہ زبیر بن عوّام کی کفالت میں آگئیں۔ اُمامہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی بڑی بہن زینب بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی تھیں اسلئے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند حضرت علی المرتضیٰ بنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ، کو وصیت کی کہ میری وفات کے بعد اُمامہ سے نکاح کر لینا تاکہ میری اولاد میری بھانجی کی حفاظت و نگرانی میں رہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد اُمامہ بنتِ ابی العاص سے نکاح کر لیا۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی شہادت ۴۰ھ کے بعد اِن سے نوفل بن مغیرہ بن حارث ابن عبدالمطلب نے نکاح کیا۔

اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی نے آپؐ کو کہلا بھیجا کہ میرا بیٹا وفات پا گیا ہے[1]۔ لہذا آپؐ تشریف لے آئیں۔ آپؐ نے واپسی سلام

[1] روایت کے اصل الفاظ ہیں: اِنَّ اِبْنًا لِی قُبِضَ یعنی میرا بیٹا وفات پا گیا ہے لیکن چند سطور بعد مذکور ہے کہ جب آپؐ وہاں تشریف لے گئے تو بچے کی سانس اکھڑ رہی تھی حافظ ابنِ حجر اس اشکال کو رفع کرتے ہوئے فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ یہاں قُبِضَ سے مراد قَارَبَ اَنْ یُقْبَضَ یعنی قریب المرگ ہے (جلد ۳- ص ۱۵۶) اِس کا ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچہ دم توڑ رہا ہو اور بنتِ رسولؐ کو اس کے وفات پا جانے کا دھوکہ ہوا ہو۔

دیتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لیا اور جو کچھ اس نے عطا فرمایا وہ سب اللہ ہی کا ہے اور اُس کے ہاں ہر شے کا ایک وقت معین ہے۔ اس لئے تم صبر کرو اور ثواب کی طالب رہو۔ انہوں نے دوبارہ قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپؐ ضرور تشریف لے آئیں۔ اس پر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ہمراہ سعدؓ بن عبادہ اور معاذؓ بن جبل اور ابیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ جب بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ یہ دیکھ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس پر سعد بنؓ عبادہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے[۱]۔

اس حدیث میں نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی بیٹی کا نام مذکور ہے اور نہ وفات پانے والے بچے کا۔ اکثر اہلِ اخبار کا خیال ہے کہ یہ حضرت زینبؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھیں اور وفات پانے والا بچہ علی بن العاص بن ربیع تھا۔ حافظ ابنِ حجر اس پر نقد وجرح کرتے ہوئے زبیر بن بکار وغیرہ علمائے اخبار کے حوالوں سے لکھتے ہیں[۲] کہ علی بن ابی العاص بالغ ہونے تک زندہ رہا اور یہ کہ فتحِ مکہ کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اپنے پیچھے اُونٹ پر سوار کیا تھا۔ اور اس عمر کے لڑکے کو عرفِ عام میں بچہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے بعد حافظ ابنِ حجر لکھتے ہیں

---

[۱] مشکوٰۃ باب البکاء علی المیّت بحوالہ بخاری و مسلم اور صحیح بخاری کتاب الجنائز باب یعذب المیّت ببعضِ بُکاءِ اَھلِہٖ علیہ الخ

[۲] دیکھئے فتح الباری جلد ۳ ص ۱۵۶ مطبوعہ دارِ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور۔

میں نے بلاذری کی کتاب الانساب میں دیکھا ہے کہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے عبداللہ بن عثمان بن عفان نے وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے گود میں لیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے بندوں پر رحم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتا ہے۔ اِسی طرح بزار کی مسند میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بچہ ہوا تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلا بھیجا۔ اِس کے بعد اسامہؓ بن زید والی حدیث کے مطابق روایت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وفات پانے والا لڑکا عبداللہ بن عثمانؓ یا محسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب ہوگا اور آپؐ کی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا یا حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہونگی۔ علاوہ ازیں علمائے انساب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علی اور امامہ کے سِوا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ مزید برآں، جیسا کہ تراجم سیداتِ بیت النبوۃ میں ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ابتدائے ۸ھ میں ہوا اور علی بن ابی العاص نے فتحِ مکہ کے بعد وفات پائی جو رمضان ۸ھ میں ہوئی تھی۔ لہٰذا اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا کوئی بچہ مدنی دور میں نہیں ہوا تو اس حدیث کا اطلاق عبداللہ بن عثمانؓ پر یا محسنؓ بن علیؓ پر ہی ہوگا۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ابوالعاص کو ایکدوسرے سے محبت تھی اور وہ ایک ساتھ زندگی گزارنے میں راحت پاتے تھے۔ ابوالعاص ان سے نہایت اچھا سلوک کرتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص کے اس برتاؤ کی بنا پر ان کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ جب مشرکینِ مکہ نے ان پر زور دیا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی کو طلاق دے دو اور قریش کی جس لڑکی سے نکاح کرنا چاہو ہم تمہیں اس سے بیاہ دیتے ہیں تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں زینبؓ کو ہرگز اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا، حالانکہ وہاں ان کے لیے حسن

بھی تھا اور دولت بھی۔ پھر جب دونوں میں جدائی ہو گئی تو ابو العاص بے چین رہنے لگے اور شب و روز حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یاد کرتے رہے۔ روایت ہے کہ ایک تجارتی سفر میں جب وہ مدینے کے قریب سے گزرے تو انہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی یاد ستانے لگی اور درد انگیز آواز میں یہ شعر پڑھتے ہوئے گزر گئے۔

جب میں ارم کے مقام سے گزرا تو زینبؓ کو یاد کیا[۱]

اور کہا کہ خدا اس شخص کو شاداب رکھے جو حرم میں مقیم ہے

امین کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے

اور ہر خاوند اسی بات کی تعریف کرتا ہے جسے وہ خوب جانتا ہے۔

(روض الانف ۲ ص ۸۰ ۔ تذکارِ صحابیات ص ۱۱۷)

لیکن اس کے باوجود وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انیس (۱۹) سال تک ایمان نہ لائے بعثت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ (۱۳) سال مکہ معظمہ میں رہے اور ہجرت کے چھ (۶) سال بعد ابتدائے ۷ھ میں ابو العاص نے اسلام قبول کیا۔ ان انیس (۱۹) سالوں کے دوران میں اسلام لانا تو درکنار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک جنگ بھی لڑی، حالانکہ آپؐ کی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی اس وقت ان کے گھر میں آباد تھیں۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ان کو پرواہ نہ تھی اور اس بات میں بھی کچھ زیادہ وزن نہیں ہے کہ ابو العاص محض لوگوں کی طعنہ زنی کے خوف سے اسلام لانے سے رکے ہوئے تھے، بلکہ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو انہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے محبت تھی اور انہیں کسی حال چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور دوسری طرف انہیں

---

[۱] روض الانف میں ارم کے مقام کی بجائے مقام اضم ہے (حصہ دوم ص ۸۰)

پتھر کے معبودوں سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پندرہ سال بعد تک حضرت زینب رضی اللہ عنہا ابو العاص کے گھر میں آباد رہیں۔ اس لئے اس دوران میں اسلام نہ لاکر بھی وہ مطمئن تھے۔ لیکن جب ان دونوں میں جدائی ہوگئی تو انہیں بیوی بچوں کی یاد ستانے لگی اور بالآخر چار سالہ جدائی کے بعد ابتدائے ۶ھ میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت بعثتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر انیس (۱۹) سال گزر چکے تھے۔

حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا

حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے تین برس بعد، بعثتِ نبوی سے سات سال پہلے مکۂ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینبؓ کی طرح اِنکی پرورش اور تربیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایۂ رحمت میں خود کی۔ جب اِنکی بڑی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شادی ابی العاص بن ربیع کے ساتھ ہوگئی۔ جو بنی عبد العزیٰ بن عبد الشمس بن عبدِ مناف میں سے تھے، تو بنی ہاشم کو خیال ہوا کہ شاید حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت رقیہؓ اور حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے نکاح بھی اپنی قوم سے باہر کسی دوسرے قبیلے میں ہو جائیں۔ اس لئے نکاحِ زینب رضی اللہ عنہا سے تھوڑا عرصہ بعد بنی عبد المطلب حضرت ابو طالب کو ساتھ لے کر حضرت رقیہؓ اور امّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے پیغام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آگئے۔ جناب ابو طالب نے بات شروع کرتے ہوئے کہا کہ اے

بھتیجے! آپؐ نے زینبؓ کا نکاح ابو العاص بن ربیع کے ساتھ کر دیا ہے۔ بے شک وہ اچھا داماد ہے اور شریف انسان ہے، لیکن آپؐ کے عم زاد کہتے ہیں کہ جس طرح آپؐ پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنتِ خویلد کے لڑکے کا حق ہے، اسی طرح سے آپؐ پر ہمارا حق بھی ہے، اور حسب و نسب میں اور شرافت میں بھی ہم اس سے کم نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ بات تو درست ہے۔ اس پر جناب ابو طالب نے کہا کہ ہم رقیہؓ اور ام کلثومؓ کا رشتہ آپؐ کے چچا ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے لئے مانگنے آئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے چچا! قرابتداری اور رشتہ داری سے تو انکار نہیں لیکن اس معاملہ میں آپ مجھے کچھ مہلت دیں۔

عتبہ اور عتیبہ کی ماں ام جمیل بنتِ حرب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھی جو نہایت زبان دراز، سنگدل، بد اخلاق اور بد مزاج عورت تھی۔ اس لئے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈرتی تھیں کہ ابو لہب کے گھر میں اس عورت کیساتھ میری لڑکیوں کی گزران کیسے ہو گی؟ اس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ الٰہی میں زیادہ مشغول رہنے لگے تھے اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے اِن خدشات کا اظہار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پریشان کرنا نہ چاہتی تھیں۔ اِس لئے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ذکر نہ کیا۔ چنانچہ بعثتِ نبوی سے پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے نکاح بالترتیب ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گئے۔ چونکہ لڑکیاں ابھی بالغ نہ تھیں اسلئے رخصتی نہ ہوئی۔

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری نے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں" کے عنوان سے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کے خواہشمند

تھے۔ جب ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عُتبہ سے ہوگیا تو انہیں بہت افسوس ہُوا اور اپنی خالہ سُعدیٰؓ[1] سے برملا اس کا اظہار کیا۔ اگر یہ روایت درست ہے تو بنی ہاشم کا یہ خدشہ بجا تھا کہ شاید حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے نکاح میں بھی بنی ہاشم کے علاوہ کوئی اور سبقت کر جائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے اپنے عشیرۃ الاقربین سے تبلیغ کی ابتدا کی تو قریش آپؐ کے درپئے آزار ہوگئے حتیٰ کہ آپؐ کی بیٹیوں کو طلاق دلوانے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ابوالعاص بن رُبیع نے تو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے صاف انکار کر دیا لیکن ابولہب کے بیٹوں کو پہلے ہی ان کی ماں اُمّ جمیل نے طلاق دینے پر آمادہ کر رکھا تھا۔ اس لئے جب ابولہب

---

[1] حضرت سعدیٰؓ بنتِ کریز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت اروی کی بہن اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت ام الحکیم بیضاء کی لڑکی تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک ماہر کاہنہ تھیں، لیکن ابتدائے بعثت ہی میں اسلام لے آئیں۔ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکرؓ سے پہلے انہیں نے اسلام کی رغبت دلائی تھی۔ چنانچہ کہتی ہیں کہ ؎

عثمان، اے عثمان، اے عثمان!

تم حسین و جمیل ہو اور صاحبِ مال بھی

یہ نبی ہیں جن کے پاس واضح دلیل ہے

اِنہیں حاکمِ اعلیٰ نے حق کے ساتھ بھیجا ہے

اور اِن پہ (حق و باطل میں تمیز کرنے والا) فرقان نازل ہوا ہے۔

پس تم اِن کا اِتباع کرو اور بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔

نے اُن پر زور دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دے دو تو انہوں نے بلا تامّل طلاق دے دی اور عُتیبہ نے تو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بدلے میں آلِ بنی سعد بن العاص کی ایک لڑکی بھی پسند کر لی۔ اور گستاخی میں اسقدر آگے بڑھ گیا کہ ایک روز اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُو در رُو کہا کہ میں والنجم اذا ھویٰ اور اَلَّذِیْ دَنَا فَتَدَلّٰی کا انکار کرتا ہوں اور یہ کہہ کر آپؐ کی طرف تھوک دیا جو آپؐ پر نہ پڑا۔[1] شاید کہ ابولہب دشمنی میں اس قدر آگے نہ بڑھتا اور اپنے بھائی کی پوتیوں کو طلاق نہ دلواتا لیکن اس کے اعصاب پر تو بنی اُمیہ بن عبدِ شمس کی بیٹی سوار تھی جس کی رگوں میں بنی ہاشم کے خلاف زہریلا خون دوڑ رہا تھا، اس لئے بغض و عناد میں اندھی ہو کر ابولہب کے پیچھے لگی رہی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو طلاق دلوا کر رہی۔ لیکن یہ طلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کے حق میں رحمت ثابت ہوئی۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرح حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما بھی امّ جمیل کی بدمزاجی سے اچھی طرح واقف تھیں اور اس کی بدمعاملگی سے خائف تھیں، لیکن اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت کی وجہ سے منہ سے کوئی بات نہ نکالتی تھیں۔ جب ابولہب کے بیٹوں نے خود ہی انہیں طلاقیں دے دیں تو گویا اُن کے اوپر سے بوجھ کا ایک پہاڑ اتر گیا۔

اس کے چند روز بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اسلام قبول کر لیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی زاد بہن اروی کے لڑکے تھے۔ اروی کی ماں ام الحکیم بیضاء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد جناب

---

[1] تفہیم القرآن دیباچہ سورۃ لہب

عبداللہ، دونوں عبدالمطلب کی بیوی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ کے بطن سے تھے۔ آپؓ فطرۃً صالح، پارسا، دیانتدار اور راستباز انسان تھے، اور مزید اس پر متموّل اور مخیّر بھی تھے۔ اس لئے جب حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کو طلاق مل گئی تو دامادی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب انہیں پر پڑی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی بھی یہ دلی خواہش تھی۔ چنانچہ جب حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا بڑی ہوگئیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے نکاح کا پیغام بھیجا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے منظور فرمالیا اور حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کو انکے نکاح میں دے دیا۔

امام نوویؒ تہذیب الاسماء واللغات میں[1]، اور امام جلال الدین سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں[2] لکھتے ہیں کہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کا نکاح زمانۂ قبل از نبوت میں ہوا تھا۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو بہت سے مسلّمہ واقعات کی تردید ہو جاتی ہے۔ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثتِ نبوی سے صرف سات سال پہلے پیدا ہوئیں اور اس بات پر اہل سیرو تواریخ کا اتفاق ہے کہ اِن کا نکاح قبل از بعثت ابولہب کے بیٹے عُتبہ سے ہوگیا پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور سورۂ لہب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں پر زور دے کر حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا اور ان کی بہن کو طلاقیں دلوادیں۔ امام نوویؒ اور امام جلال الدین سیوطیؒ، دونوں نے اِس سوال کا جواب نہیں دیا کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے نکاح میں قبل از بعثتِ

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات جلد اول ص ۳۲۲

[2] تاریخ الخلفاء (عربی) صفحہ ۱۴۸

نبوی آئی تھیں تو پھر اُن کا نکاح ابولہب کے بیٹے سے کب ہُوا اور پھر کب اور کس بنا پر انہیں طلاق مِل گئی اور اُن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی قبل از بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر لیا؟

مولانا محمد نافع بناتِ اربعہ (ص ۱۰۶) میں کنز العمال کے حوالے سے عبداللہ ابنِ عباسؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ "نبیِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ میں اپنی بیٹی رقیہ کا نکاح حضرت عثمان ابنِ عفان کے ساتھ کر دوں۔ چنانچہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ شریف میں کر دیا اور ساتھ ہی رخصتی کر دی۔"

روایت ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں نہایت خوبصورت تھے۔ چنانچہ عروسی کے وقت عورتوں کی زبان پر یہ شعر تھا جسے وہ ترنم کے ساتھ گا رہی تھیں۔ ؎

أَحْسَنَ شَخْصَيْنِ رَأَى اِنْسَانُ رُقَيَّةُ وَبَعْلُهَا عُثْمَانُ[1]

یعنی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین جوڑا انسان نے کبھی نہیں دیکھا۔

ابنِ عساکر نے اسامہؓ بن زید سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے میں گوشت دے کر مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر بھیجا۔ میں ان کے گھر میں داخل ہُوا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سامنے تشریف رکھتی تھیں۔

---

[1] تراجم سیدات بیت النبوہ بحوالہ روض الانف۔ تذکارِ صحابیات میں اس شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے۔ ع احسن الزوجین رأھما الانسان

میں کبھی حضرت رقیہؓ کے چہرے کو دیکھتا اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرے کو۔ پھر جب میں واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اندر گئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ! اس پر حضور نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی اِس سے زیادہ خوبصورت جوڑا دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ[1]!

حضرت عثمان اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کو ایک دوسرے سے اُنس تھا۔ اگر مکے کی فضا انہیں آرام سے رہنے دیتی تو وہ نہایت خوشگوار زندگی بسر کرتے لیکن مشرکین نے مسلمانوں پر ایسے مظالم ڈھائے اور ایسی دردناک اذیتیں دیں کہ مکہ سرزمینِ کرب و ابتلاء بن گیا اور مسلمانوں کے لئے اپنے ہی شہر میں اور اپنے ہی گھروں میں رہنا بسنا دشوار ہو گیا۔ ان کٹھن حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ بہتر ہو گا اگر تم حبش کو چلے جاؤ۔ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نجات کی کوئی صورت پیدا نہیں کرتا تم وہیں قیام کرو۔ آپؐ کا یہ ارشاد سُن کر گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا ایک قافلہ حبش کو روانہ ہو گیا۔ سب سے پہلے نکلنے والے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور ان کی بیوی حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ کہتے ہیں کہ مکہ سے روانگی کے وقت جب حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا گھر سے نکلیں تو اپنی ماں اور اپنی بہنوں سے لپٹ لپٹ کر روئیں۔ یہ زواج رقیہؓ سے تھوڑا عرصہ بعد رجب ۵ سنہ نبوی کا واقعہ ہے جو ہجرتِ حبشۂ اولیٰ کے نام سے معروف ہے۔

جب مسلمان ارضِ جور و ستم کو چھوڑ کر سرزمینِ صلح و آشتی میں پہنچے تو انہیں سُکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ پھر رفتہ رفتہ دوسرے مسلمان بھی یکے بعد دیگرے حبش میں

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۵۰

پہنچنے لگے حتی کہ مہاجرین کی تعداد تین اور پراسی (۸۳) تک پہنچ گئی اور سب کے سب اس پر سوا تھے۔

ابھی ہجرت پر تین مہینے بھی نہ گزرے تھے کہ حبشہ میں کسی نے یہ خبر اُڑا دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کی صلح ہو گئی ہے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حبش میں مہاجرین نہایت اچھی زندگی گزار رہے تھے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہایت امن و سکون اور اطمینان سے کرتے تھے اور وہاں انہیں کوئی روکنے والا تھا نہ اذیت دینے والا۔ مگر جب انہوں نے یہ خبر سُنی تو وطن کی محبت انہیں واپس مکے کو کھینچ لائی، لیکن یہاں تو سماں ہی کچھ اور تھا! یہ واپسی ہجرت کے صرف تین مہینے بعد شوال ۵ نبوی میں ہوئی۔ دوسرے مہاجرین کیساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی حبش سے واپس آ گئے۔

دراصل بات صرف یہ تھی کہ ہجرتِ حبشہ کے دو ماہ بعد رمضان ۵ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم پاک کے اندر قریش کے ایک بڑے مجمع میں سورۂ نجم تلاوت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے معجزانہ کلام کی حلاوت اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پُر تاثیر زبان کی تلاوت نے پورے مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری کر دی[1] اور جب آپؐ نے آیۂ سجدہ تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا تو سارا مجمع حضور

[1] قرآنِ پاک کی اس خاصیت کے بارے میں شیخ ابو علی الفضل طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے قریب سورۂ مؤمن کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ ولید بن مغیرہ جو قریب کھڑا تھا آپؐ کی قرأت سن رہا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ولید قرآن سن رہا ہے تو آپؐ نے دوبارہ تلاوت فرمائی۔ یہ سن کر ولید اپنی قوم بنی مخزوم کی مجلس میں گیا اور ان سے کہا کہ خدا کی قسم! ابھی ابھی میں نے

باقی اگلے صفحہ پر

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ سجدے میں چلا گیا۔ یہی خبر حبش میں اس طرح سے پہنچی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ سجدہ کرنے کے بعد جب انہیں ہوش آیا تو کھسیانے ہو کر ایک دوسرے پر الزام دھرنے لگے اور کفر میں اور بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

مکے میں مسلمانوں پر قریش کے مظالم شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے حتیٰ کہ جب مظالم کی انتہا ہو گئی تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دوبارہ ہدایت فرمائی کہ وہ حبش کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ ابتدائے ۶ سنہ نبوی میں ایک سو سے زائد مسلمان مرد و زن مکے سے ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے۔ اِس دوسری ہجرتِ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کا کلام ہے۔ اور نہ جنوں کا۔ اس کلام میں حلاوت ہے اور حسن و رونق ہے۔ یہ سب سے اعلیٰ کلام ہے۔ اِس سے بہتر کوئی کلام نہیں۔ یہ کہہ کر ولید اپنے گھر کو چلا گیا۔ قریش نے کہا کہ خدا کی قسم! ولید بے دین ہو گیا ہے اور (اس کے پیچھے) اب ساری قوم بے دین ہو جائے گی۔ ولید (کو یہ مقام حاصل تھا کہ) رَیحانۃُ القریش کہلاتا تھا۔ ابوجہل نے کہا کہ میں تمہاری طرف سے اِس کا کوئی حیلہ کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ گیا اور مُسمسی صورت بنا کر ولید کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ ولید نے پوچھا کہ اے بھتیجے! تم کیوں اُداس ہو؟ ابوجہل نے کہا کہ یہ قریش آپ کے اس بڑھاپے میں آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ولید نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تزئین کی ہے۔ اس پر ولید اٹھ کھڑا ہوا اور ابوجہل کے ہمراہ واپس قریش کی مجلس میں آگیا۔ اس نے (آتے ہی) قریش سے کہا کہ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیوانہ کہتے ہو؟ کیا تم نے کبھی اُس کو دیوانوں کی سی حرکتیں کرتے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ پھر ولید نے کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کاہن ہے؟ کیا تم نے اُس میں کہانت کی کوئی علامت دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں

باقی اگلے صفحہ پر

حبشہ میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ اِس مرتبہ انہوں نے حبش میں کافی عرصہ قیام کیا۔ اِسی دوران میں ان کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس لڑکے نے چھ (۶) سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

کچھ عرصہ کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کو ہجرت کرنے والے ہیں۔ یہ خبر سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور کچھ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ واپس مکے آ گئے۔ جب حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا گھر پہنچیں تو اپنی بہنوں سے لپٹ گئیں اور ان سے پوچھا کہ ابا کہاں ہیں اور امی کہاں ہیں؟ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے قیامِ حبشہ کے دوران ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن ان کو اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ اس لئے حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں کہ والدِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں۔ اور تمہارے ساتھ حبش سے آنے والے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) پھر اس نے کہا کہ کیا تم اُس کو شاعر سمجھتے ہو؟ کیا تم نے کبھی اسے شعر کہتے سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بالکل نہیں۔ ولید نے کہا کہ پھر تم اسے جھوٹا اور کذاب سمجھتے ہو؟ کیا تم نے کبھی اُسے جھوٹ بولتے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، بلکہ نبوت سے پہلے اپنی راست گوئی کی بنا پر وہ صادق اور امین کہلاتے تھے۔ قریش نے پوچھا کہ اے ولید! آخر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ اس نے اپنے دل میں سوچا، پھر ترش روئی سے دیکھا اور کہا کہ وہ ساحر کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ آدمی کو اُس کے اہل سے اور اس کی اولاد اور اس کے موالی سے جدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ ساحر ہے اور اس کی باتوں میں ایسا جادو ہے کہ دلوں کو موہ لیتا ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی تعجب نہیں کہ کلام پاک کی ساحرانہ تاثیر سے قریش کا سارا مجمع بے خود ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدے میں چلا گیا ہو۔

مہاجرین کو ملنے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دوبارہ پوچھا "اور میری امیؓ؟ میری امیؓ کہاں ہیں؟" اس پر حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے سر جھکا لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اس کے بعد حضرت رقیہؓ کو مزید سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اُنکی آنکھیں پتھرا گئیں، دِل ڈوب گیا اور لڑکھڑاتی ہوئیں اپنی والدہ کی جائے وفات کی طرف چل دیں۔

ابنِ ہشام سیرۃ النبویہ میں لکھتے ہیں کہ آخری بیعتِ عقبیٰ (۱۳ سنہ نبوی) سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا اِذن نہیں تھا بلکہ آپکو مصائب پر صبر کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا حکم تھا۔ لیکن جب آخری بیعتِ عقبہ ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے حامی و ناصر پیدا کر دیئے اور ایک جائے پناہ میسر آگئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کو مدینے کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ یہ حکم ملتے ہی مسلمان فرداً فرداً مدینے کو جانے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، بھی اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینے پہنچ گئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی یہ تیسری ہجرت تھی۔ لیکن ہجرت الی الحبشہ اور ہجرت الی المدینہ کے اعتبار سے آپ ذات الہجرتین یعنی دو ہجرتوں والی کہلاتی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے مدینے میں حضرت حسان بن ثابت کے بھائی اَوس بن ثابت کے ہاں قیام فرمایا۔ اس کے تھوڑا عرصہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینے تشریف لے گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینے تشریف آوری کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد رمضان ۲ھ میں جنگِ بدر واقع ہوئی۔ ان دنوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو چیچک

نکلی ہوئی تھی اور وہ اس بیماری کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھیں۔ اسلئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ پر روانہ ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی تیمارداری کے لئے مدینے میں چھوڑ گئے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تکلیف روز بروز بڑھتی چلی گئی اور بالآخر خاتمۂ جنگ کے ساتھ ساتھ آپ کی زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے۔ اُدھر جنگِ بدر ختم ہوئی اِدھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں کہ جب زید ابنِ حارثہ رضی اللہ عنہ، جنگِ بدر میں مسلمانوں کی فتح کا مژدہ لے کر مدینے پہنچے تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس (۲۱) برس تھی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفاتِ حسرت آیات کے وقت ان کے اکلوتے بیٹے عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر صرف چار سال تھی۔ ایک چار سالہ بچے کی زندگی۔ جس کے سر سے ماں کا سایہ اور ماں کا پیار اٹھ گیا ہو اور جس کی دیکھ بھال کرنے والا گھر میں سوائے باپ کے اور سوائے ایک لونڈی امّ عیاش کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرمائی تھی، اور کوئی نہ ہو، کیسے گزرتی ہوگی۔ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے چھ ماہ بعد ان کی حقیقی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا اور اس کے تین ماہ بعد جمادی الاولیٰ ۳ھ میں ان کی رخصتی ہوئی۔ اس طرح سے عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خالہ کی حفاظت و نگرانی میں آ گئے۔ لیکن تقریباً ایک سال کے بعد جمادی الاولیٰ ۴ھ میں چھ سال کی عمر میں اس لڑکے کا انتقال ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس صاحبزادے کی وفات کا بہت دکھ ہوا۔ یہ آپؐ کی اُس بیٹی کی نشانی تھا جس کے جنازے میں بھی آپؐ شریک نہ ہو سکے تھے۔ آپؐ نے

اِسے اپنی گود میں لے لیا اور روتے ہوئے فرمایا کہ یرحم اللہ من عبادہ الرحماء یعنی اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔ وفات کا سبب یہ ہُوا کہ ایک مرغ نے سوتے میں انکی دونوں آنکھوں میں ٹھونگیں ماردیں جس کی تکلیف سے آپ بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ نماز جنازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود پڑھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں قبر میں اتارا۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نہایت خوش اخلاق اور اپنے خاوند کی خدمت گزار خاتون تھیں۔ آپ نے اسلام کی خاطر تین دفعہ ہجرت کی دو دفعہ حبش کی طرف اور ایک دفعہ مدینے کی طرف۔ حبش کی ہجرت کے دوران آپ کا ایک ناتمام بچہ بھی ساقط ہو گیا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا مشہور قول کے مطابق بعثتِ نبوی سے چھ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نکاح سے کچھ عرصہ بعد ان کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے ہو گیا لیکن رخصتی نہ ہوئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے تبلیغ کا آغاز کیا تو ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل آپؐ کے سخت مخالف ہو گئے۔ ابولہب آپؐ کا سگا چچا تھا لیکن اس نے رشتہ داری کو بالائے طاق رکھ دیا اور آپؐ کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور قدم قدم پر آپؐ سے دشمنی کرنے لگا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے سورۂ لہب نازل فرمائی جس میں

ابولہب اور اس کی بیوی کا نام لے کر بالتصریح ان کی مذمت کی گئی۔ اس پر ان کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا۔ ام جمیل ہاتھ میں کنکریاں لے کر آپؐ کو مارنے کے لئے چڑھ دوڑی اور ابولہب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دونوں بیٹیوں، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اپنے بیٹوں سے طلاقیں دلوادیں۔ الدکتورہ عائشہ عبدالرحمن بنتُ الشاطی تراجم سیّداتِ بیت النبوہ میں لکھتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا پر کرم کیا کہ اللہ کے دشمن عتیبہ بن ابی لہب نے ان کو طلاق دے دی اور وہ اپنی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی طرح حمالۃ الحطب کے ساتھ تلخ زندگی بسر کرنے سے بچ گئیں۔

اس طلاق کے بعد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوگیا اور وہ اپنے خاوند کے ہمراہ ہجرت کرکے حبش کو چلی گئیں، لیکن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور ان کی چھوٹی بہن حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے ماں باپ کے ہمراہ گھر میں رہ گئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دینِ اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے گھر سے باہر چلے جاتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تو اُن پر کفار کی ایذا رسانیوں اور تھکاوٹ کے آثار ہوتے تھے۔ ان تمام مصیبتوں میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا شریک رہیں۔

کفار کی سختیاں روز بروز بڑھتی چلی گئیں حتیٰ کہ جب انہوں نے دیکھا کہ اُن کی ساری کوششوں کے باوجود اندر ہی اندر اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تو انہوں نے بالاتفاق آپس میں عہد کر لیا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی مطلب بن عبدِ مناف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے حوالے نہ کردیں اُس وقت تک اُن سے معاشرت کے سارے تعلقات، بول چال، میل جول، شادی بیاہ اور خرید و فروخت وغیرہ ترک کر دیئے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اِس معاہدہ کی دستاویز لکھ کر کعبے پر آویزاں کردی

اس پر جناب ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور یہ دونوں خاندان بلا امتیازِ کافر و مومن شعب ابی طالب[1] میں منتقل ہو گئے۔ قریشِ مکہ نے محصورین کی ایسی سخت ناکہ بندی کی کہ کھانے پینے کا سامان تک، سوائے چوری چھپے کے شعبِ ابی طالب میں نہ جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ محصورین درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے بھی اپنی ماں اور اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ حصار کی یہ تمام سختیاں برداشت کیں۔ جناب ابو طالب نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر یہ سب مصیبتیں اٹھائیں لیکن اپنے بھتیجے کو کفار کے حوالے نہ کیا۔

بڑھاپے کی کمزوری اور مصائب کی شدت سے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی دوبھر ہو گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اب میرا وقت قریب آن پہنچا ہے۔ وہ صرف زوجِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے جی رہی تھیں اور اپنی کنواری بیٹیوں کی خاطر جینا چاہتی تھیں۔ ایک رات وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس سو رہی تھیں کہ انہوں نے زیرِ لب اپنے آپ سے کہا کہ اے کاش! اجل مجھے اتنی مہلت دے دے کہ میں اس مصیبت سے نجات پا کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لوں اور پھر عالمِ عقبیٰ کو روانہ ہو جاؤں۔ حضرت ام کلثوم رضؓ نے جن کی آنکھ کھل گئی تھی، یہ سن کر کہا کہ اے امی! آپ کوئی خوف و تردد نہ کریں۔ انہوں نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی دلجمعی کی خاطر بات بدل کر کہا کہ ہاں بیٹی! مجھے کوئی دکھ نہیں۔ قریش کی کسی عورت نے

---

[1] شعبِ ابی طالب، کوہِ ابو قبیس کی ایک گھاٹی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے والد جناب ابی طالب کی رہائش تھی۔ اب یہ گھاٹی شعبِ علیؓ کے نام سے موسوم ہے۔

مجھ جیسے عیش و عشرت اور فراخی کے دن نہیں دیکھے اور نہ دنیا کی کسی عورت نے مجھ جیسی عزت پائی ہے۔ دنیا میں میرے لئے بس یہی کافی ہے کہ میں حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہوں اور آخرت میں بھی میرے لئے یہی کافی ہے کہ میں آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائی ہوں اور یہ کہ میں ام المومنین ہوں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے دل میں کہا کہ اے اللہ! میں تیری رضا پر راضی ہوں اور تیری ملاقات سے گریز نہیں کرتی، لیکن چاہتی ہوں کہ تیرے احسانوں کی شکر گزار ہو کر تیرے دربار میں پہنچوں۔

اڑھائی تین سال کی محصوری کے بعد ۱۰ھ نبوی میں یہ مقاطعہ ختم ہو گیا۔ لیکن اس سے جو اطمینان حاصل ہوا جلد ہی رنج و محن میں تبدیل ہو گیا۔ اسی سال رمضان شریف میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے سر سے ماں کا سایہ بھی اٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی انتہائی وفادار اور غمگسار بیوی کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ لیکن حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے گھر میں اکیلی رہ جانے کی وجہ سے حضرت خولہ بنتِ حکیم رضی اللہ عنہا کے مشورہ سے آپؐ نے ایک ہی مہینے کے اندر شوال ۱۰ھ بعد بعثت میں ام المومنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا سے، جو سن رسیدہ تھیں اور لڑکیوں کی حفاظت و نگہداشت کے لئے موزوں تھیں، نکاح کر لیا۔ اور بلا شبہ انہوں نے ماں کی طرح ان کی دیکھ بھال اور غمگساری کی لیکن وہ ماں کا بدل نہ ہو سکتی تھیں اور نہ کوئی عورت دنیا میں ماں کا بدل ہو سکتی ہے۔ حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اکثر حجون[1] کو نکل جاتیں اور اپنی ماں کی قبر پر روتی رہتیں۔

---

[1] حجون: مکے کا بالائی مقام جہاں اہلِ مکہ کا قبرستان المعلیٰ ہے۔

اِدھر سارا مکہ آپؐ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور آپؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ کسی نے کہا شاعر ہے، کسی نے کہا ساحر ہے، کسی نے کہا آسیب زدہ ہے، کسی نے کہا ہمارے معبودوں کے غیض وغضب کا شکار ہے، دیوانہ ہوگیا ہے۔ کسی نے اوجھ لا کر آپؐ کے اوپر ڈال دیا، کسی نے مذاق اڑایا، تمسخر کیا، کسی نے آوازے کسے، ہوٹے ہوٹے کی، پھبتیاں اڑائیں اور پتھر مار مار کر آپؐ کو لہو لہان کر دیا۔ حتّٰی کہ رذالت و کمینگی کی ساری حدیں پھلانگ گئے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں سے فرمائے گا کہ ذُقْ ۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ۔ لے، اب چکھ اپنے کئے کا مزہ۔ بڑا عزت دار بنا پھرتا تھا تو! یہ حالات تھے جن میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سارا دن اِس خوف میں گزار دیتی تھیں کہ آج ہمارے ابّ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزرتی ہے۔

آخر تین سال کے اِس کٹھن مرحلے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن فرمایا تو آپؐ قریش سے چھپ چھپا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینے تشریف لے گئے۔ اہلِ مکہ تو آپؐ کو قتل کر دینے کے درپے تھے۔ اسلئے جب آپؐ اُن کے ہاتھوں سے بچ کر نکل گئے تو انہوں نے آپؐ کو پکڑ لانے کے لئے کھوجیوں کے ہمراہ آپؐ کا تعاقب کیا۔ اِس پر آپؐ کے اہل وعیال کو سخت اندیشہ ہوا اور انکی پریشانی کی انتہا نہ رہی۔ لیکن جب قریش بے نیلِ مرام واپس آگئے اور آپؐ کے بخیریت مدینے پہنچ جانے کی خبریں آگئیں تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اس کے سات مہینے بعد آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بھیج کر اپنے بال بچوں کو بھی مدینے بلوا لیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح ہجرتِ مدینہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہلِ وعیال، اِس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ خانہ کے ساتھ ہمسفر تھے۔

جب حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینے پہنچیں تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پہلے ہی وہاں موجود تھیں لیکن بہنوں کا یہ ملاپ تادیر قائم نہ رہا۔ ابھی ان کی ہجرت پر ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگئیں اور جنگِ بدر کے دوران رمضان ۲ھ میں وفات پاگئیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کا سخت صدمہ ہوا۔ ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا رشتۂ دامادی قائم نہ رہا اور دوسری طرف ان کے صاحبزادے عبداللہ کے سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا۔ مزید برآں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر آباد نہ رہا کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی پر سوکن نہ لائے تھے اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ ان کے نکاح میں کوئی دوسری عورت نہ تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور کہتے ہیں کہ آپؐ کا یہ فیصلہ وحیِ الٰہی کے تحت تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا جائے مولانا محمد نافع بناتِ اربعہ میں تاریخِ کبیر، کنز العمال اور زرقانی کے حوالوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کرتے ہیں کہ میں نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان کے ساتھ آسمانی وحی کے تحت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کر چکے تھے۔ اس لئے آپؐ نے جنگِ بدر سے واپسی کے بعد پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی فرمائی اور اس کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور اس کے چند ماہ بعد جمادی الثانی ۳ھ میں ان کی رخصتی فرمائی۔ اس کے بعد آپ چھ سال تک زندہ رہیں۔ اس دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات و سرایا میں مصروف رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی

اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ اپنے صھر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریکِ جہاد رہے۔ ابتدائے ۸ھ میں فتحِ مکہ سے پہلے حضرت زینب بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے وفات پائی اور اس کے بعد سالِ مُقبل ۹ھ میں غزوۂ تبوک سے صرف ایک ماہ بعد شعبان کے مہینے میں حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو بھی اُن کی بڑی بہن حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرح پانی میں بیری کے پتے ڈال کر غسل دیا گیا اور آخر میں کافور کی خوشبو لگائی گئی اور کفن پہنایا گیا۔ یہ سب انتظام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود فرمائے۔ غسل دینے میں حضرت صفیہؓ بنتِ عبد المطلب، حضرت اسماء بنتِ عمیسؓ، لیلی ابنت قائف ثقفیہؓ اور امّ عطیہؓ انصاریہ رضوان اللہ علیہن شامل تھیں۔ نمازِ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے خود پڑھائی۔ جنت البقیع میں اپنی بہن حضرت رقیہؓ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوطلحہ، حضرت علی، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی[1] کی تدفین میں شریک تھے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قبر پر بیٹھے ہیں اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون آج رات اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ،

---

[1] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی کونسی بیٹی تھیں۔ لیکن شارحینِ حدیث لکھتے ہیں کہ یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں دیکھیے، فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۱۵۱

نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آج رات بیوی کے پاس نہیں گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم ان کی قبر میں اتر جاؤ۔[۱]

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ عین وفات کی رات کو حضرت عثمانؓ کا ان سے جماع کرنا خارج از بحث ہے اور اس وقت ان کی کوئی دوسری بیوی بھی نہ تھی۔ اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے، ان کی قبر میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو کیوں اتارا گیا؟ اس بارے میں حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں ابنِ حبیب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اُس رات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی کسی لونڈی سے مباشرت کی ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا نام لئے بغیر انہیں قبر میں اترنے سے روک دیا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمۃ الزہراؓ بنتِ محمد مصطفےٰؐ، سیدۃ النساء، خاتونِ جنت، جگر گوشۂ

---

[۱] حوالہ کیلئے دیکھئے: (۱) مشکوٰۃ شریف باب دفن المیّت فصل سوم
(۲) صحیح بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیّتُ ببعضِ بکاءِ اھلہٖ علیہ (فتح الباری جلد ۳ ص ۱۵۱)
(۳) طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۸ (ترجمہ حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا)

رسولؐ، طاہرہ و بتول، قرۃ العین، جدِّ الحسنؓ والحسینؓ رضی اللہ عنہا۔

تعجب کی بات ہے کہ علمائے انساب و تواریخ کے درمیان رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بنتِ صغیر کی پیدائش کے بارے میں جس قدر اختلاف ہے اتنا اختلاف آپؐ کی کسی دوسری لڑکی کی تاریخ ولادت میں نہیں ہے۔ المسعودی کے نزدیک آپ کی پیدائش ۸ھ قبل از بعثت میں ہوئی۔ یعقوبی کہتے ہیں کہ آپ بعثتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابنِ سعد، ابنِ اسحاق، ابنِ عبدالبرؒ اور طبری کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ۵ھ قبل از بعثت میں اس وقت پیدا ہوئیں جب قریشِ مکہ کعبے کی از سرِ نو تعمیر کر رہے تھے[۱] مولانا عبیداللہ امرتسری ارجح المطالب میں لکھتے ہیں کہ بعض مؤرخین کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بعثتِ نبوی سے پانچ برس بعد پیدا ہوئیں[۲] حکیم نیاز احمد اپنی تالیف تحقیقِ عمرِ عائشۃ الصدیقہ میں[۳] اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ للعالمین میں[۴] زبیر بن بکار سے ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ہشام ابن عبدالملک اموی کے پاس حضرت عبداللہ بن حسنؓ بن امام حسنؓ تشریف لائے، وہاں مشہور مؤرخ کلبی پہلے سے موجود تھا۔ ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عمر وفات کے وقت کیا تھی؟ حضرت عبداللہ نے کہا کہ تیس (۳۰) سال۔ کلبی نے کہا

---

[۱] ان حوالہ جات کیلئے دیکھئے تراجم سیدات بیت النبوۃ صفحہ ۵۹۶

[۲] ارجح المطالب تالیف مولانا عبیداللہ امرتسری ص ۲۳۹ قاضی سلیمان رحمۃ للعالمین میں جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اصولِ کافی میں شیخ محمد کلینی نے ولادتِ سیدہؓ ۵ھ نبوی بتائی ہے۔

[۳] تحقیق عمر عائشہؓ صدیقہ حصہ دوم ص ۴۲ بحوالہ الاستیعاب ذکرِ فاطمہؓ

[۴] رحمۃ للعالمین حصہ دوم ص ۱۱۰

کہ پینتیس (۳۵) سال تھی۔ ہشام نے کہا: ابو محمد[1] سنتے ہو کلبی کیا کہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھئے[2]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ کلبی کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثتِ نبوی سے تقریباً دس گیارہ سال پہلے ہوئی۔

اِس اختلافِ روایات کی بنا پر متعصب اور سیاہ باطن مستشرقین نے اُن روایات کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ نکاح کے وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا عنفوانِ شباب کا سن تھا اور ایسی روایات پر انگلی رکھ کر جن کی رو سے نکاح کے وقت آپ کی عمر پچیس سال کے لگ بھگ بن جاتی ہے، اپنے خبثِ باطن کی بھڑاس نکالی ہے اور آپ کے خلاف یہ الزام تراشا ہے کہ آپ کی شکل وصورت میں کوئی کشش نہ تھی بلکہ بوار تھیں، اس لئے اشرافِ مکہ میں سے کسی رئیس ودولتمند کو آپ کی طرف رغبت نہ ہوئی اور سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبوراً انہیں ایک فقیر کے ساتھ بیاہنا پڑا جسے دو وقت کی روٹی بھی میسر نہ تھی۔ الدکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی نے تراجم

---

[1] حضرت عبداللہ بن حسن بن امام حسن رضی اللہ عنہم کی کنیت ابو محمد اور لقب شیخ بنو ہاشم تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ انہی کی نسل سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ جو حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی لڑکی تھیں۔

(رحمۃ للعالمین مؤلفہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری جلد ۲ ص ۱۱۷)

[2] (۱) تحقیق عمر عائشۃ الصدیقہ حصہ دوم ص ۴۴ بحوالہ الاستیعاب ذکرِ فاطمہ

(۲) رحمۃ للعالمین جلد ۲ ص ۱۱۰

سیداتِ بیت النبوۃ میں ایسے ہی ایک مستشرق لامانس[1] کا ذکر کیا ہے جو اِس قسم کی ہرزہ سرائی کرتا ہے۔

دراصل حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ عنہا کی پیدائش بعثت نبوی ہی کے سال سنہ ۱ میں ہوئی۔ اس حساب سے سنہ ۲ ھ میں جب آپ کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا تو آپ کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی اور یہ کوئی بڑی عمر نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ کی پیدائش پانچ سال قبل از بعثت شمار کی جائے، جیساکہ ابنِ سعد، ابنِ اسحاق اور ابنِ عبدالبر وغیرہ کی رائے ہے تو نکاح کے وقت آپ کی عمر بیس سال کو پہنچ جاتی ہے اور بے شک اگر آپ کی بہنوں کی عمرِ نکاح پر نگاہ ڈالی جائے تو ان کے مقابلہ میں حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ عنہا کے نکاح میں بہت تاخیر ہوئی، اور یہ بھی درست ہے کہ اُن کے نکاح صواحبِ مال ودولت اور اہلِ فراوانی کے ساتھ ہوئے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے ساتھ ہوا جو مالی حیثیت سے کمزور تھے اور سچ پوچھو تو دنیوی مال ودولت سے بے نیاز بھی تھے۔ لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح میں تاخیر کی وجہ نہ تو آپ کی کبرسنی ہے اور نہ حسن وجمال کا فقدان، بلکہ اس کا سبب فقط اسلام ہے۔

اس زمانے میں ابولہب نے اپنے بیٹوں پر زور دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کو طلاقیں دلوادی

---

[1] لامانس: ہنری لامنس (HENRY LAMMENS) الیسوعی، بلجکی مستشرق المتوفی سنہ ۱۹۳۷ء اس نے عرب کے زمانۂ قبل از اسلام اور اموی دور کے مباحث پر کتابیں تصنیف کیں: الاسلام۔ الجزیرۃ العربیۃ قبل البحرت اور خلافتِ یزید اول اس کی تصانیف میں سے ہیں۔

تھیں اور حضرت زینب بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو طلاق دلوانے کے لئے بھی قریشِ مکہ نے انتہائی کوششیں کی تھیں۔ جبیر بن مطعم کی ماں نے اپنے بیٹے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ لینے سے صرف اس لئے انکار کر دیا تھا کہ وہ ایک مسلمان لڑکی کو اپنے گھر میں لانا نہ چاہتی تھی۔ کس طرح ممکن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد رؤسائے قریش آپؐ کی لڑکی کو بہو بنا کر اپنے گھر لے جاتے؟ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے اسلام کو اپنے گھر میں کیسے لے جاتے جسے مٹانے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے؟ اور پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک و طیب بیٹی کو اُن کفار کے ساتھ بیاہ دیتے جو نہ صرف آپؐ کی رسالت کے مُنکر تھے بلکہ آپؐ کے بدترین دشمن بھی تھے؟ ابھی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی کہ عقبہ بن ابی مُعیط نے ابوجہل کے اشارے سے اونٹ کا اوجھ لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ڈال دیا تھا جبکہ آپؐ مسجدِ حرام میں نماز ادا فرما رہے تھے اور سجدے کی حالت میں تھے، اور جسے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کھینچ کر بمشکل نیچے اتارا تھا۔

اِدھر جو لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے، اگرچہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال تھے لیکن آپؐ کے کفوؤ ہمتا نہ تھے۔ اِس لئے انہیں اپنے ہادی و پیشوا کے احترام اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حُرمت و عظمت کے پیشِ نظر نکاح کا پیغام بھیجنے میں شرم و حیا مانع تھی۔ علاوہ ازیں ابھی آپ نو دس سال کی عمر کو پہنچی تھیں کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر تین ہی سال کے پرآشوب اور پر مصائب دور کے بعد آپ کے والدِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرتِ مدینہ کا اذن ہو گیا اور آپؐ مکے سے ہجرت فرما کر مدینے تشریف لے گئے۔ دراصل حضرت فاطمۃ الزہراء

رضی اللہ عنہا کے لئے نکاح کا پیغام دینے کا وقت ہی ہجرتِ مدینہ کے بعد تھا اور یقیناً
حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے پیغام بھی پہنچے لیکن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رد فرما دیا۔ لہذا یہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی
اللہ عنہا کی ذات پر سراسر بہتان ہے کہ آپ کسی حیثیت میں بھی نامرغوب تھیں۔ بلکہ
آپ کا لقب ہی الزہراء اسی لئے ہے کہ آپ نہایت خوبصورت تھیں اور آپ کا
رنگ صاف تھا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کا زمانہ اپنے والدینِ کریمین کے سایۂ عاطفت
میں گزرا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش بھی اپنی دوسری
لڑکیوں کی طرح خود فرمائی۔ جب آپ نے ہوش سنبھالا تو سارا مکہ آپ کے والدِ کریم صلی
اللہ علیہ وسلم کا مخالف تھا۔ جب آپ مسجدِ حرام کو تشریف لے جاتے تو راستے میں آزاد و
غلام ہر شخص آپؐ کا مذاق اڑاتا اور آپ کی تکذیب کرتا، اور یہ سب کچھ حضرت فاطمہ رضی
اللہ عنہا آپ کے پیچھے پیچھے اپنی آنکھوں سے دیکھتی جاتیں۔ جوں جوں اسلام پھیلتا گیا
مشرکین مکہ کی خفگی بڑھتی گئی حتیٰ کہ جب اُن کا غصہ عروج کو پہنچ گیا تو انہوں نے ۷ھ
نبوی میں مسلمانوں کا معاشی مقاطعہ کر لیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے
خاندانِ بنی ہاشم اور بنی مطلب بن عبدِ مناف سمیت شعبِ ابی طالب میں محصور ہونا
پڑا۔ اس وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر صرف پانچ چھ سال تھی۔
گویا ہوش سنبھالتے ہی آپ کو مصائب کا سامنا ہوا اور آپ نے اپنے والدِ کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ وہ تمام سختیاں اور مصیبتیں برداشت کیں جو کفارِ مکہ نے
روا رکھی تھیں۔ انہیں ایام میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا تھا کہ اے کاش!
اجل مجھے کچھ روز مہلت دے دے اور میں اس مصیبت سے نجات پا کر اپنی آنکھیں
ٹھنڈی کر لوں اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملوں۔ لیکن ع

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

محاصرہ ٹوٹتے ہی آپ کو اجل نے آن گھیرا اور آپ اپنی چھوٹی لڑکیوں کو ٹھکانے لگائے بغیر رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں انتقال فرما گئیں اور حضرت فاطمۃ الزہرا، رضی اللہ عنہا پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ آپ اکثر اپنی بڑی بہن حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے ساتھ جنت المعلیٰ کو نکل جاتیں اور اپنی ماں کی قبر پر روتی رہتیں۔

اسی اثناء میں حضرت ابوطالب کا بھی انتقال ہو گیا اور قریش کی ایذا رسانیاں انتہا کو پہنچ گئیں، حتیٰ کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین ہی برس بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کی سازش تیار کر لی لیکن اللہ تعالیٰ نے بروقت آپؐ کو اُن کے اِس ناپاک منصوبے کی اطلاع دیدی۔ اور ہجرتِ مدینہ کا اذن فرمایا۔ چنانچہ آپؐ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔ ہجرت کے سات مہینے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اہل وعیال کو بھی اپنے پاس مدینے بُلا لیا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر کو، جہاں سے تیرہ سال نور کے چشمے پھوٹتے رہے، تالے پڑ گئے۔ جب حضرت فاطمۃ الزہرا، رضی اللہ عنہا مکے سے روانہ ہوئیں تو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی ان کے ہمراہ اونٹ پر سوار تھیں۔ مشرکینِ قریش میں حُوَیرث بن نُقیذ ایک نہایت لئیم اور بدرگ انسان تھا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دُکھ پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینے تشریف لئے جا رہی ہیں تو تعاقب کر کے انہیں مکے سے باہر جا ملا اور اُس اونٹ کو اکھاڑ دیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں سوار تھیں اور اونٹ انہیں لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کیا رذالت و کمینگی کی حد اس سے بھی کچھ پرے ہے؟ اسی لئے فتحِ مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آٹھ آدمیوں کو قتل کر دینے کا حکم فرمایا تھا اُن میں سے ایک

یہ بھی تھا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے قتل کردیا۔

جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہجرت کرکے مدینے پہنچیں تو بالغ ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان کے نکاح کے پیغام آنے لگے۔ ابن سعد کے مطابق پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیغام دیا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے ابو بکرؓ! انتظر بہا القضاء یعنی جو حکم خدا ہوگا۔ اگرچہ آپؐ کو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارے میں حکم خداوندی کا انتظار بھی ہوگا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے، تاہم یہ ، تزویج المیل بھی تھی۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عمر پچاس سال سے متجاوز تھی جبکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ابھی پندرہ سال کے سن میں تھیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو انہیں بھی آپؐ نے وہی جواب دیا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیا تھا۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً بیالیس سال تھی۔ مولانا سعید انصاری حیات الصحابیات میں لکھتے ہیں کہ "بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کردیا ہے۔" بہر کیف ان کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے درخواست کی تو آپؐ نے منظور فرمائی اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کردیا۔ یہ نکاح جنگ بدر ۲ھ سے واپسی کے بعد ہوا[1] حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان دیا اس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ ایک چادر (طالب الہاشمی تذکار صحابیات میں دو چادریں لکھتے ہیں)

۲۔ ایک چکی (الدکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن تراجم سیدات بیت النبوہ میں دو چکیاں لکھتی ہیں۔)

۳۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔

[1] امام نووی کے مطابق یہ رخصتی کی تاریخ ہے۔ نکاح اس سے ۴½ ماہ پہلے ہوا

۴- دو گھڑے

۵- دو پیالے (بعض کے نزدیک ایک پیالہ)

۶- ایک مشکیزہ

۷- ایک منقوش پلنگ

۸- دو بازو بند

۹- ایک مصری کپڑے کا بستر جس میں روئی بھری ہوئی تھی

۱۰- ایک جائے نماز

} تذکارِ صحابیات طالب الہاشمی ص ۱۳۲ - ۱۳۳

نکاح کے وقت آپؐ نے عروسین کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ میں نے فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے بحکم خداوندی کیا ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سے سب سے بہتر آدمی کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے۔

حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ، کے گھر میں مال و دولت کی فراوانی نہ تھی۔ لیکن آپ نہایت متقی و پرہیزگار اور علم و آگاہی کا مجسمہ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے۔ ذاتی اوصاف کے علاوہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے یہ فضائل کیا کم ہیں کہ وہ فخرِ دو جہاں، منبعِ رشد و ہدایت، خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ عین ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے دکھ پہنچایا اس نے مجھے دکھ پہنچایا۔ حضرت علی مشکل کشا شیرِ خدا رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ امامین شہیدین رضی اللہ عنہما کی ماں ہیں، جن میں سے ایک نے اس خوف سے کہ میرے جدِ امجد، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں خونریزی نہ ہو تخت و تاج پر لات مار دی اور گوشہ نشینی

اختیار فرمائی، اور دوسرے نے ناحق کے خلاف جہاد کیا اور باطل کے سامنے سینہ سپر ہو گئے حتیٰ کہ فرعونی قوت کے سامنے بھی سرنگوں نہ کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ع حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسینؓ۔ اور علامہ اقبال حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

رشتۂ آئینِ حق زنجیر پاست　　　پاس فرمان جناب مصطفےٰ است

ورنہ گردِ تربتش گردیدمے　　　سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

یعنی اگر آئینِ حق کی پابندی اور فرمانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس نہ ہوتا تو میں آپ کی تربت کے گرد طواف کرتا اور آپ کی خاکِ مرقد پر سر بسجود ہوتا۔

آپ نہایت صابرہ اور حسنِ اخلاق کا نمونہ تھیں۔ گھر کا سارا کام کاج خود کرتی تھیں۔ چکی پیستے وقت بھی قرآن وردِ زبان ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی دنیائے اسلام کی تمام عورتوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے والدِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی مشابہت دی تھی۔ جب آپ چلتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار آنکھوں کے سامنے پھر جاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔ فقر و فاقہ کے باوجود آپ خدا کی راہ میں فراخدلی سے خرچ کرتی تھیں۔ ایک دفعہ کسی نے پوچھا کہ چالیس اونٹ کی زکوٰۃ کیا ہو گی؟ فرمایا کہ تمہارے لئے چالیس اونٹوں میں سے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سب کے سب خدا کی راہ میں دے ڈالوں۔ ایک دفعہ کسی حاجتمند نے آپ سے سوال کیا۔ اتفاق سے اُس وقت آپ کے پاس اُسے دینے کے لئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ لیکن اسے بھی آپ نے خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیا اور اپنی چادر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر کے اُس کی خوراک کا انتظام کر دیا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ؎

بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت　　　با یہودے چادرِ خود را فروخت

کہتے ہیں کہ یہ چادر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، شمعون یہودی کے پاس لے گئے تھے۔ جب اس نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حال سُنا تو حیران رہ گیا اور پکار اٹھا کہ خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ اے سلمان! گواہ رہنا کہ میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باپ پر ایمان لایا۔ پھر اس نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی چادر واپس کر دی اور کچھ غلہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بلا معاوضہ بھیج دیا۔ (تذکارِ صحابیات)

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر میں فقر و فاقہ عُسر و یُسر، ہر حال میں صبر و شکر کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کی۔ لیکن ایک دفعہ جب فتحِ مکہ کے بعد آپ کے خاوند حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابو جہل کی لڑکی کیساتھ نکاح کرنا چاہا اور بنی ہشام بن مغیرہ کو نکاح کا پیغام بھی بھیج دیا تو نہ صرف حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو اس کی شکایت ہوئی بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کا سخت صدمہ ہوا۔ ابو جہل اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ اُس نے قدم قدم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تھی۔

ایک دفعہ اُس نے مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے لوگو! تم دیکھتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے معبودوں کی برائی کی ہے، ہمارے آبا و اجداد کو گالیاں دی ہیں اور انہیں بے وقوف ٹھہرایا ہے، اور اس پر وہ بضد ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں کہ کل ایک بہت بڑا پتھر اٹھا لاؤں گا۔ اور سجدے کی حالت میں اس پتھر کے ساتھ اس کا سر کچل دوں گا۔ تم مجھے اس کی اجازت دو یا مجھے روک دو۔ اِس کے بعد اکیلے بنی عبدِ مناف میرا جو کچھ بگاڑنا چاہیں بگاڑ لیں۔

ایک دفعہ اس نے اخنس بن شریق سے کہا کہ بنی عبدِ مناف نے مہمان نوازی

کی تو ہم نے بھی مہمانوں کی خاطر تواضع کی۔ انہوں نے جنگیں لڑیں تو ہم نے بھی جنگیں لڑیں۔ انہوں نے سخاوت کی تو ہم نے بھی بڑھ چڑھ کر فیاضی کی۔ حتیٰ کہ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی مبعوث ہوا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ بھلا اس میں ہم ان کی کیا برابری کریں؟ خدا کی قسم! ہم کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ کبھی اس کی تصدیق کریں گے۔

جب یہ کسی معزز آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اُسے شرم دلاتا اور کہتا کہ کیا تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے! تیری عقل ماری گئی، تیری رائے کمزور پڑ گئی، اور تیری آبرو اور تیرا شرف جاتا رہا! اگر کوئی تاجر مسلمان ہو جاتا تو اسے کہتا کہ ہم تیری تجارت اور تیرے مال کو برباد کر دیں گے۔ اور اگر کوئی کمزور آدمی ایمان لاتا تو اُسے مارتا پیٹتا اور اسے دردناک عذاب دیتا۔

اِسی نے حکیم بن حزام بن خویلد کو شعبِ ابی طالب میں طعام لے جانے سے روکا تھا۔

جب نصارائے حبشہ کا وفد مسلمان ہو گیا تو اِسی نے ان سے کہا تھا کہ خدا تمہارا ستیاناس کرے! تمہارے اہل دین نے تو تمہیں اس شخص کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اور تم آتے ہی اِس کے فریب میں آ گئے، اور اپنا نقدِ دین گنوا بیٹھے! تم جیسے بے وقوف سوار تو میں نے کبھی نہیں دیکھے!

ہجرتِ مدینہ کے موقع پر اسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا۔

قرآن پاک میں اِسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ زقوم کا درخت گنہگاروں کی خوراک ہو گا جو کھولتی ہوئی دھات کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کہ گرم پانی کھولتا ہے (دخان: ۴۳ تا ۴۶)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مکے سے نکل گئے تو اسی نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ تمہارا باپ کہاں ہے ؟ اور جب انہوں نے جواب دیا کہ مجھے اُن کی کچھ خبر نہیں تو اسی نے اُن کو ایک زور کا تھپڑ مار دیا جس سے ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی اور سر سے دوپٹہ اتر گیا۔

جنگِ بدر سے پہلے جب حضرت ابوسفیان کا تجارتی قافلہ صحیح سلامت نکل گیا اور قریش نے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا تو اسی نے لوگوں کو جنگ کرنے پر اکسایا تھا۔

جنگِ بدر کے دوران جن آدمیوں کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بددعا فرمائی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اور بالآخر اسی جنگِ بدر میں یہ کافر ملعون ہو کر ذلت کی موت مرا۔

یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں جاتے دیکھتا تو حقارتاً لوگوں سے کہتا کہ وہ دیکھو، بنی عبدِ مناف کا رسول جا رہا ہے !

اسی کے کہنے پر عُقبہ بن ابی مُعیط نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کا اوجھ لا کر ڈال دیا تھا، جبکہ آپؐ سجدے میں تھے۔

یہ وہی ابوجہل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَولٰی لَکَ فَاَولٰی ثُمَّ اَولٰی لَکَ فَاَولٰی (قیامہ: ۳۴-۳۵)

اور اسی کی بیٹی جویریہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نکاح کرنا چاہتے تھے۔ جس نے فتح مکہ کے روز بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سن کر کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باپ پر کرم کیا ہے اور اُسے گدھے کی ہینگ سننے تک زندہ نہیں رکھا[1]

---

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر جلد دوم ص ۲۵۴ مطبوعہ دارِ صادر بیروت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابوجہل کی لڑکی کا پیغام دیا تو بنی ہشام بن مغیرہ اس کی اجازت لینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ سُن کر آپ سخت ناراض ہوئے اور منبر پر تشریف لے جاکر صحابۂ کرام سے خطاب فرمایا کہ بنی ہشام بن مغیرہ علی رضؓ بن ابی طالب کے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح کرنے کیلئے مجھ سے اجازت مانگتے ہیں، لیکن میں انہیں ہرگز اس کی اجازت نہ دوں گا۔ آپؐ نے یہ الفاظ تین بار دہرائے۔ اور پھر فرمایا کہ البتہ اگر ابنِ ابی طالب چاہے تو میری بیٹی کو طلاق دے کر اُن کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس نے اُسے پریشان کیا اُس نے مجھے پریشان کیا اور جس نے اسے دکھ پہنچایا اُس نے مجھے دُکھ پہنچایا۔

جب اس پیغام کی خبر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ آپؐ کی قوم کا خیال ہے کہ آپؐ اپنی بیٹیوں کے حق میں خفا نہیں ہوتے۔ اِسی لئے تو حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کی بات پکی کر لی ہے۔ اس پر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور تشہد پڑھنے کے بعد فرمایا کہ میں نے ابوالعاص بن رُبیعؓ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا تو اُس نے مجھ سے جو بات کہی سچ کہی[1]۔ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور مجھے یہ بات سخت ناگوار ہے کہ کوئی

---

[1] اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ ابوالعاص بن رُبیع نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا جو اُس نے وفا کیا۔ اور شاید حضرت علی رضؓ نے بھی اسی طرح کا وعدہ کیا تھا جو آپ بھول گئے اور ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا پیغام بھیج دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ دیکھئے فتح الباری جلد ۷، ص ۸۶ در شرح حدیث محولہ مندرجہ ذیل حدیث نمبر ۳۷۲۹

اُسے دُکھ پہنچائے۔ خدا کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک ساتھ کسی کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں[1]۔ زہری کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میں حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں[2]۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا۔

اسلام نے چند شرائط کے ساتھ ایک وقت میں چار بیویاں جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔ اِس لئے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی کا پیغام بھیجا تو اُن کے حساب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سوکن لانے میں کوئی مضائقہ نہ تھا اور شاید ان کو یہ توقع بھی نہ تھی کہ اس نکاح پر اعتراض کیا جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس شرعی حق کی نفی نہیں فرمائی جیسا کہ آپؐ کے اِس قول سے ظاہر ہے کہ میں حلال کو حرام نہیں کرتا۔ آپ کی ناراضگی کے وجوہ کچھ اور تھے۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ خدا کے رسول کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی دونوں ایک ساتھ حضرت علیؓ کے گھر میں نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور اِس بات کی بھی کیا ضمانت ہے کہ اسلام جویریہ کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا؟ ابھی چند ہی ماہ پہلے تک وہ راسخ العقیدہ مشرکہ تھی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کو اس نے گدھے کی آواز سے تشبیہہ دی تھی۔ اسے گھر میں لانا گویا مشرکانہ ذہنیت کا گھر میں لانا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر اصمار النبیؐ (۱) فتح الباری جلد ۷ ص ۸۵ (۲) صحیح بخاری مترجم اردو جلد ۲ ص ۴۱۰-۴۱۱

[2] فتح الباری جلد ۹ ص ۳۲۸ (کتاب النکاح حدیث نمبر ۵۲۳۵)

وسلّم نے اپنے خطاب میں یہ بھی فرمایا تھا۔ کہ اِنّی اَخوّف ان تفتن فی دینھا۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دین کے معاملہ میں فاطمہؓ کسی فتنہ میں نہ پڑ جائے [۱] پھر چار بیویوں کی اجازت کے باوصف یہ ضروری نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی بیٹی پر بھی سوکن لائی جائے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی فتح الباری میں اور علامہ جلال الدین سیوطی خصائص الکبریٰ میں لکھتے ہیں کہ کچھ بعید نہیں کہ آپ کی بیٹیوں پر ضرائر لانے کی ممانعت خصائصِ نبوی میں سے ہو [۲]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور اُنکی اولاد سے بہت محبت تھی۔ جب وہ آپؐ سے ملنے آتیں تو آپؐ ازراہ شفقتِ پدری اٹھ کھڑے ہوتے اور انہیں اپنے پاس بٹھا لیتے۔ سرشتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہو جائے تو اس کا دل گھٹتا ہے اور اس کے چہرے پر اُداسی چھا جاتی ہے۔ اور مارے شرم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ لیکن نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ یکے بعد دیگرے چار لڑکیاں بلا فصل پیدا ہوئیں لیکن آپؐ کو ذرا بھی ملال نہ ہوا، بلکہ آخری لڑکی سے کچھ زیادہ ہی پیار تھا۔ آپؐ کو اپنی دوسری لڑکیوں سے بھی بہت پیار تھا اور آپؐ ان کا بھی خیال فرماتے تھے لیکن جب وہ وفات پا گئیں اور حضرت

---

[۱] اکثر اہل علم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان کا یہ مطلب بھی لیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کا خوف تھا کہ مبادا جویریہ کے گھر میں آنے سے فطری غیرت اور غصے کی بنا پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کسی آزمائش و ابتلا میں پڑ جائیں اور ان سے کوئی خلافِ شریعت فعل سرزد ہو جائے۔

[۲] بنات اربعہ ص ۳۱۲ - ۳۱۳

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے سوا آپؐ کو ابّا کہنے والا کوئی باقی نہ رہا تو آپ کی ساری توجہ اِسی بنتِ صغیر کی طرف منعطف ہو گئی۔ لیکن اس محبت کے باوجود اور اس کے باوصف کہ آپ جنتی عورتوں کی سردار ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نیک اعمال کرنے کی وصیت فرمائی۔ بخاری شریف میں ہے کہ یا فاطمۃ بنت محمد سلینی ما شئتِ من مالی۔ لا اُغنی عنکِ من اللہِ شیئاً[1] اے فاطمہ! بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے مال میں سے جو چیز تم چاہو مجھ سے مانگ لو، لیکن میں تمہیں اللہ کے محاسبہ سے نہ بچا سکوں گا۔ ایک اور جگہ پر ہے کہ یا اُمّ الزّبیر بن العوّام یا عمّۃ رسول اللہ یا فاطمۃ بنت محمد اشتریا انفسکما من اللہِ لا املک لکما من اللہِ شیئاً۔ سلانی من مالی ما شئتما[2] اے زبیر ابن عوام کی ماں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی! اے فاطمہ بنت محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تم دونوں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ (کے مؤاخذہ) سے بچا لو، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے جو کچھ تم لینا چاہو مجھ سے مانگ لو۔ ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عمل صالح ہر مومن کے لئے لازمی ہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں اور آپؐ کی اولاد کے لئے بھی۔ مولانا محمد نافع بناتِ اربعہ میں لکھتے ہیں کہ حسب و نسب پر اعتماد کر کے اعمالِ صالحہ میں کوتاہی کرنا جائز نہیں ہے۔

---

[1] (۱) صحیح بخاری کتاب الوصایا باب ھل یدخل النساء والولدُ فی الاقارِب

(۲) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ (سورۂ فرقان)

[2] صحیح بخاری کتاب المناقب باب من انتسب الیٰ آبائہ فی الاسلام والجاھلیۃ (فتح الباری جلد ۶ ص ۵۵۱ - صحیح بخاری مترجم اردو جلد ۲ ص ۳۳۸

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی چھے اولادیں ہوئیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ (۱) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (۲) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (۳) حضرت محسن[1] رضی اللہ عنہ (۴) حضرت زینب رضی اللہ عنہا (۵) حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور (۶) حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا۔ ان میں سے حضرت رقیہؓ اور حضرت محسنؓ رضی اللہ عنہما بچپن میں وفات پا گئے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سب سے بڑے تھے۔ آپ کی ولادت نصف رمضان ۳ھ میں ہوئی۔ آپ نہایت درویش سیرت پاک طینت اور صلح جو انسان تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد عراق میں ان کی خلافت کا اعلان ہوا تو اہلِ شام ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر آپ کی فوج میں بھی منافقین موجود تھے۔ اس لئے فتنہ و فساد اور خونریزی کے خوف سے آپؓ خلافت سے کنارہ کش ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔

حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵ شعبان ۴ھ کو ہوئی۔ آپ نے فسق و فجور اور استبداد کے خلاف اپنی جان تک قربان کر دی لیکن باطل کے سامنے سر نہ جھکایا۔ ؎

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبحٍ عظیم آمد پسر
(رموزِ بیخودی)

حضرت زینب بنتِ علی رضی اللہ عنہا کی پیدائش جمادی الاول ۵ھ میں ہوئی۔ ان کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ انہوں نے میدانِ کربلا کے مصائب جن کی داستان سننے سے پتھر کے کلیجے بھی پھٹ جاتے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ۶ھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا پہلا نکاح حضرت

---

[1] محسن میں س مشدّد مفتوح ہے۔ اور حؔ مفتوح اور مؔ مضموم ہے

عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد آپ یکے بعد دیگرے حضرت عون، حضرت محمد اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہم کے نکاحوں میں آئیں جو حضرت اسمار بنت عمیس کے بطن سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے لڑکے تھے۔ جب آپ عبداللہ ابن جعفر کے نکاح میں آئیں تو آپ کی بڑی بہن حضرت زینب کا انتقال ہو چکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے بہت پیار تھا۔ ایک دفعہ آپؐ حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما سو رہے تھے اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، جو ابھی چھوٹے بچے تھے، دودھ کے لئے رو رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بکری کا دودھ نکالا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کو پلایا پھر ایک دفعہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، چھوٹے بچے تھے تو حضرت فاطمۃ الزہرار رضی اللہ عنہا کے گھر کے قریب سے آپؐ کا گذر ہوا۔ اندر سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ اگرچہ اُس وقت آپؐ کسی کام کو جا رہے تھے اور جلدی میں تھے لیکن پلٹ کر گھر میں داخل ہو گئے اور غصے سے فرمایا کہ اے فاطمہؓ! کیا تم نہیں جانتی ہو کہ حسینؓ کے رونے سے مجھے دکھ ہوتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر صفر ۱۱ھ میں بدھ کے روز بیمار ہوئے اور تیرھویں[1] دن سوموار کے روز وفات پائی۔ جب مرض کی شدت بڑھ گئی تو آپؐ نے مستقل طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام فرمالیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے آپؐ کے جسم مبارک کو چھوا تو سخت گرم تھا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ کو تو سخت بخار ہے! آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ قسم ہے اُس

---

[1] اس تعداد میں ابتدائے شکوہ کا دن اور وفات کا روز، دونو یوم شامل ہیں

ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، جب بھی کسی مسلمان پر مرض کی شدت ہوتی ہے تو اُس کی خطائیں اس طرح سے جھڑتی ہیں جسطرح کہ درختوں سے پتے جھڑتے ہیں۔

وفات سے ایک روز پہلے آپؐ کے مرض میں کچھ افاقہ ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ باہر تشریف لائے تو لوگوں نے اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! آپؐ رو بصحت ہیں۔ اِس پر حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ خدا کی قسم! تین دن کے بعد تم لاٹھی کے غلام ہو گے خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِس مرض میں وفات پا جائیں گے۔ میں کئی بار دیکھ چکا ہوں کہ موت سے پہلے بنی عبد المطلب کے چہروں پر اسی طرح سے رونق آجاتی ہے۔ آؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں اور اُن سے پوچھتے ہیں کہ آپؐ کے بعد اِس امر پر کس کا حق ہے؟ اگر ہمارا ہے تو ہم کو معلوم ہو جائیگا ورنہ آپؐ سے اپنے حق میں کوئی وصیّت ہی حاصل کرلیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز نہ پوچھوں گا۔ اگر آپؐ نے انکار کر دیا تو پھر ہمارے لئے کوئی امید باقی نہ رہے گی۔

مشہور ترین قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ (۱۲) ربیع الاوّل ۱۱ھ کو وفات پائی [۱] جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا اور آپ کی بہنیں اور آپ کے بھائی پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اب یہ آخری

---

[۱] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی میں اور حکیم نیاز احمد نے تحقیق عمر عائشہ میں پورے حزم و وثوق کے ساتھ اس کی تردید کی ہے کہ آپ کا وصال ۱۲ ربیع الاول کو ہوا۔ انہوں نے مشہور تاریخ دان کلبی کے اس قول کی بھی تردید کی ہے کہ آپ کی وفات ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ ان دونوں کے نزدیک آپؐ نے

باقی اگلے صفحہ پر

سہارا بھی جاتا رہا۔ آپؐ کے جسدِ مبارک کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ تدفین کے بعد جب صحابۂ کرام حجرے سے باہر آئے تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا غم سے نڈھال تھیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو فرمایا کہ اے انسؓ! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ مبارک پر مٹی ڈالنا کیسے گوارا کر لیا؟ جب عورتیں تعزیت کے لئے آپ کے گھر گئیں تو فرمایا کہ

۱۔ دنیا غبار آلود ہو گئی، سورج لپیٹ دیا گیا اور صبح و شام پر ظلمت چھا گئی۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین ریت کا ایک ڈھیر ہے، ہائے افسوس لرزنے والی زمین پر!

۳۔ اب مشرق اور مغرب ان کو روئیں، اب مُضر اور یمان ان کا سوگ منائیں۔

۴۔ اب جُود وسخا کے پہاڑ اور پردوں اور ستونوں والا گھر ان پر آنسو بہائیں۔

۵۔ اے مبارک روشنی والے ختم الرسل! قرآن نازل کرنے والا آپؐ پر درود بھیجے۔

(روض الالنف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دو مسئلے کھڑے ہو گئے: ایک خلافت کا دوسرا وراثت کا۔ آپؐ کی ہجرتِ مدینہ سے پہلے انصار، مشہور منافق عبداللہ بن ابی کو اپنا بادشاہ بنانے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپؐ ہجرت کر کے مدینے پہنچ گئے اور عبداللہ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) یکم ربیع الاول سلہ ھ کو انتقال فرمایا اور ان کا دعویٰ ہے کہ اس روز سوموار کا دن تھا۔ یہ کتابچہ تفصیلات کا متحمل نہیں تاہم کلبی کا بیان درست معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ۲ ربیع الاول کی بجائے ۱۲ ربیع الاول مشہور ہو جانے میں ایک احتمال یہ ہے کہ ناقل اول نے اِثنا شہر ربیع الاول کو اثنا عشر ربیع الاول پڑھ لیا ہو گا اور آگے چل کر یہی تاریخ وفات مشہور ہو گئی ہو گی۔

کا مدینے کی سربراہی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس لئے عبداللہ اور اس کے رفقاء زندگی بھر اندر ہی اندر آپؐ کی مخالفت کرتے رہے۔ اس کے دس سال بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو اُن کی پرانی تمنا پھر عود کر آئی اور سعد بن عُبادہ کے ہاتھ پر، جو اس وقت بنی خزرج کے سردار تھے بیعت کرنے کیلئے سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے؛

ابنِ ہشام سیرۃ النبویہ میں ابنِ اسحاق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس جمع ہو گئے اور حضرت علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ[1] بن عوام اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں علیحدہ جا بیٹھے، اور باقی مہاجرین جن میں حضرت اُسید بن حُضیر اشہلی[2] بھی شامل تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کے پاس جمع ہو گئے۔ اِسی اثناء میں، جبکہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے فراغت نہ ہوئی تھی اور آپؐ کے اہل نے آپؐ پر دروازہ بند کر دیا تھا، ایک شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا کہ خاندانِ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں سعدؓ بن عبادہ کے پاس جمع ہے۔ اگر تمہیں لوگوں کے اس امر کی کوئی حاجت ہے تو قبل اس کے کہ معاملہ سنگینی اختیار کرے تم فوراً وہاں پہنچ جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اس

---

[1] زبیرؓ بن عوام حضرت ابوبکرؓ کے داماد تھے۔ اسکے باوجود انہوں نے ابتداء میں خلافت کے بارے میں حضرت علیؓ کی حمایت کی۔ لیکن پھر ان کا خیال بدل گیا اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

[2] اُسید بن حضیر قبیلۂ اوس کے خاندان بنی اشہل میں سے تھے جو بنی خزرج کی امانت کے خلاف تھے

پر میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آؤ۔ اپنے اِن انصار بھائیوں کے پاس چلیں اور دیکھیں کہ وہ کس حال پر ہیں[1]۔

حافظ ابنِ حجر زُہری کے حوالے سے فتح الباری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل پر موجود تھے کہ ایک آنے والا آیا اور پسِ دیوار سے آواز دی کہ اے عمرؓ! ذرا باہر آئیو۔ میں نے کہا کہ پرے ہٹو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر میں مصروف ہیں۔ اُس نے کہا کہ اے عمرؓ! ایک حادثہ پیش آگیا ہے: یہ انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھیں جس سے جنگ چھڑ جائے تم وہاں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ چند دوسرے مہاجرین کے ہمراہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ وہاں کچھ بحث و تکرار کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد انصار و مہاجرین نے بھی جو وہاں موجود تھے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن سعدؓ بن عبادہ نے، جو خلافت کے امیدوار تھے بیعت نہ کی۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سقیفۂ بنی ساعدہ میں دفع شر کے لئے اچانک تشریف لے گئے تھے اور اس بات میں کوئی حقیقت نہیں ہے کہ امامت کے بارے میں اُن کا پہلے سے کوئی ارادہ تھا۔ اگر آپ وہاں بر وقت تشریف نہ لے جاتے اور بنی خزرج یک طرفہ طور پر سعدؓ بن عبادہ کو خلیفہ منتخب کر لیتے تو پھر ملک خانہ جنگی اور فتنۂ و فساد کی آماجگاہ بن جاتا اور کوئی بھی شخص اس کے شر سے محفوظ نہ رہتا۔

[1] سیرت ابنِ ہشام جلد ۲ (جزو چہارم)، صفحہ ۶۵۶

ابھی چند سطور پہلے یہ ذکر ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے دوران حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خلافت کے بارے میں اس لئے کوئی بات نہ پوچھی تھی کہ مبادا آپؐ نے انکار کر دیا تو پھر ان کے لئے خلافت کی کوئی امید باقی نہ رہے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے دعویدار تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب اُن کی خواہش اور ان کی امیدوں کے خلاف ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے چند روز تامل فرمایا اسی دوران میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضرت علی رضؓ کی خلافت کے بارے میں مشورے ہوئے اور گرد و نواح کا جائزہ لیا گیا۔ الدکتورہ عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی تراجم سیدات بیت النبوۃ میں لکھتی ہیں اور سید المرتضیٰ عسکری ابن سبا میں اس کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو سواری پر بٹھا کر نکلے اور وہ مجالس انصار میں مجلس بہ مجلس پھریں اور اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ ابو الحسنؓ کی اُس حق کے مطالبہ میں مدد کریں جس سے جان بوجھ کر انکار کیا گیا ہے۔ ان سب نے جواب دیا کہ اے بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اب ہم حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں۔ اگر آپ کے خاوند اور عم زاد[1] ہمارے پاس پہلے آجاتے تو ہم ضرور اُن کا خیال کرتے۔ اس کے جواب میں جناب امیرؓ فرماتے کہ کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن نہ کرتا اور خلافت کا تنازعہ لے کر دوڑ پڑتا؟[2]

السید المرتضیٰ عسکری اپنی تالیف عبداللہ بن سبا[2] میں یعقوبی کے حوالے سے

---

[1] یعنی آپ کے کفو [2] (۱) تراجم سیدات بیت النبوہ ص ۶۳۲ (۲) عبداللہ بن سبا جلد ۱ ص ۱۴۰

[3] عبداللہ بن سبا جلد ۱ ص ۱۳۹ - ۱۴۰

لکھتے ہیں کہ لوگوں کی ایک جماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے آئی تو آپ نے فرمایا کہ تم سب کل سر منڈوا کر میرے پاس آنا لیکن دوسرے روز ان میں سے صرف تین آدمی حاضر ہوئے۔

ان حالات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر بیعت ہو جانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے صرف دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ کے خلاف خروج کر کے مسلمانوں کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل دیتے اور دوسرا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ مصالحت کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ ہمارے نزدیک جناب امیر رضی اللہ عنہٗ نے چند روز کی ناراضگی کے بعد یہی دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جب خلافتِ ابی بکر رضی اللہ عنہٗ کی توثیق ہو گئی اور لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اُن سے اپنی وراثت کا حق طلب فرمالیا۔ مگر انہوں نے جواب دیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپؐ کی متروکات وراثت نہیں بلکہ صدقہ ہیں اس لئے میں اس بارے میں وہی کچھ کروں گا جو کچھ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے البتہ اس میں سے جو کچھ آپ کو پہلے ملتا تھا وہ بدستور ملتا رہے گا۔ اس پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے تاحیات میل جول اور بول چال چھوڑ دیا۔[2]

---

[1] تراجم سیّدات بیت النبوہ صفحہ ۶۳۲

[2] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب قول النبیؐ لانورث ماترکنا صدقۃ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں بیہقی اوزاعی اور شیخین کے حوالوں سے

باقی اگلے صفحہ پر

ابنِ سعد طبقات میں عبداللہ بن نمیر وغیرہ کے حوالوں سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے جنابِ سیدہ سے کہا کہ یہ ابوبکرؓ دروازے پر اندر آنے کی اجازت مانگتے ہیں، اگر چاہو تو اجازت دے دو۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا آپ بھی یہ چاہتے ہیں؟ حضرت علی نے فرمایا کہ ہاں! اس پر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے انہیں اندر جانے کی اجازت دے دی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیمار پرسی اور معذرت خواہی کی تو آپ اُن سے راضی ہو گئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نہایت غمگین و دل گرفتہ رہنے لگیں۔ آپ کا دل ٹوٹ گیا اور زندگی کی تمام مسرتیں مفقود ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تادمِ مرگ کسی نے آپ کو ہنستے نہیں دیکھا۔ آخرش ایک مختصر سی علالت کے بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ کو مغرب اور عشاء کے درمیانی وقت میں آپ اس جہانِ بے ثبات سے رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مشہور قول کے مطابق یہ منگل کی رات تھی۔

وفات سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماءؓ[1] بنتِ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے مرضِ وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئیں تھیں۔

[1] حضرت اسماءؓ بنت عمیس پہلے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے نکاح میں آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد اِن سے حضرت علیؓ نے نکاح کر لیا۔

عُمیس رضی اللہ عنہا کو جو اُس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ کی بیوی تھیں وصیّت
کی کہ میری وفات کے بعد مجھے تم غسل دینا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی وصیّت کے مطابق
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو رافع کی بیوی سلمیٰ اور حضرت ام ایمن رضؓ کے
ہمراہ آپ کو غسل دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وصیّت کے مطابق آپ کو راتوں
رات دفن کر دیا۔ اِس لئے آپ کے جنازے میں زیادہ لوگ شامل نہ ہو سکے، تاہم حضرت
ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر صحابۂ کرام جو اس وقت موجود تھے آپ کے جنازہ میں
شامل ہوئے۔ نمازِ جنازہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ زُہری اور عُروہ
کے طریق سے معمر کی روایت ہے کہ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
پڑھائی۔ عمرہ بنتِ عبد الرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی
نمازِ جنازہ حضرت عباس بن عبد المطلب نے پڑھائی۔ اور شعبی اور ابراہیم سے
مروی ہے کہ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہٗ نے پڑھائی[1]۔ مولانا محمد نافع
بناتِ اربعہ میں کنز العمال اور حیات النّضرہ کے حوالوں سے اِسی کی تائید کرتے ہیں۔
جنازہ کے بعد آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا جہاں اللہ تعالیٰ کی لاکھوں کروڑوں
رحمتیں برستی ہیں۔ آپ کو حضرت علیؓ حضرت عباسؓ اور حضرت فضلؓ بن عباس رضی
اللہ عنہم نے قبر میں اتارا۔

تمّت بالخیر

[1] طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۲۹

ملنے کا پتہ

ملک خالد رشید عارؔبی

۱۴۱۔ شیر شاہ روڈ۔ ملتان چھاؤنی

فون نمبر:۔ ۳۱۱۸۴